ماہنامہ **محدث** بنارس

سرپرست
عبداللہ سعود بن عبدالوحید

مدیر
مولانا عبدالوہاب حجازی

معاون مدیر
مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی — **مولانا عبدالمتین مدنی**

عدد مسلسل: ۳۴۶

جلد: ۳۰ ، شمارہ: ۱۰

ذیقعدہ ۱۴۳۳ھ

اکتوبر ۲۰۱۲ء

بدل اشتراک

- ہندوستان: 150 روپئے
- بیرون ممالک: 40 ڈالر
- فی شمارہ: 15 روپئے

مراسلت کا پتہ

دار التالیف والترجمہ
بی ۱۸/۱جی، ریوڑی تالاب
وارانسی - ۲۲۱۰۱۰

Darut Taleef Wat Tarjama
B.18/1-G, Reori Talab,
Varanasi - 221010

اس شمارہ میں

۱-درس قرآن	عبداللہ سعود بن عبدالوحید	۲
۲-درس حدیث	مولانا عبدالمتین مدنی	۳
۳-افتتاحیہ	مدیر	۴
۴-احکام قربانی	محمد اسلم مبارکپوری	۶
۵-فضائل قربانی کی احادیث......	غازی عزیر	۱۳
۶-مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ......	مولانا اسعد اعظمی	۲۱
۷-وصیت	محمد انور محمد قاسم سلفی	۲۶
۸-اسلام میں معیشت وتجارت کی اہمیت	ہلال احمد بن ہدایت اللہ	۳۵
۹-نشست مجلس منتظمہ جامعہ سلفیہ، بنارس	عبدالکبیر مبارکپوری	۳۹
۱۰-ہماری نظر میں	مولانا محمد مستقیم سلفی	۴۳
۱۱-اخبار جامعہ	ادارہ	۴۵
۱۲-عالم اسلام	ظل الرحمٰن سلفی	۴۶
۱۳ -باب الفتاوی	مولانا نورالہدی سلفی	۴۷

نوٹ : ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

درس قرآن

ان دوفرقوں میں سے امن کا کون زیادہ مستحق ہے اگرتم جانتے ہو؟ (سورہ انعام:۸۱)

(تدوین حدیث کا پہلا دور)

(۱۰)

عبداللہ سعود بن عبدالوحید

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اسلامی شریعت کے امین تھے اور انہوں نے جو کچھ بھی اسلامی شریعت کی تعلیم اللہ کے رسول محمد ﷺ سے حاصل کیا تھا امانت داری کے ساتھ آنے والی نسل تک پہنچایا۔

اللہ کے رسول محمد ﷺ کو اللہ تعالی نے حکم دیا تھا: ﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ﴾ (سورہ مائدہ:۶۷) اے رسول جو کچھ تم پر تمہارے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس کو پہنچا دیجئے، اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو منصب رسالت کی ذمہ داری ادا نہ ہوگی۔

آپ ﷺ نے اس رسالت کی ذمہ داری کو خود پوری کیا اور آنے والی نسل تک پہنچانے کے لیے ان صحابہ کرام کو حکم دیا کہ: "بلغوا عني ولو آية وحدثوا عن بني إسرائيل ولا حرج ومن كذب علي متعمدا فليتبوأ مقعده من النار" (صحیح بخاری:۳۴۶۱) میری ایک بات بھی تم کو معلوم ہو اس کو دوسروں تک پہنچاؤ۔ بنی اسرائیل کی باتیں بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں اور جو کوئی جان بوجھ کر میرے نام سے کوئی جھوٹی بات روایت کرے گا تو اس کو چاہئے کہ اپنا ٹھکانا جہنم سمجھ لے۔

آپ ﷺ نے ہر اس شخص کے لیے دعا فرمائی جو اس تبلیغ دین کے فریضہ کو ادا کرے، "نضر الله امرأ سمع مقالتي الخ۔ (صحیح مسلم) اللہ اس شخص کو تر وتازہ رکھے جو میری بات کو سنے اس کو یاد رکھے اور اس کی حفاظت کرے اور جیسے سنا ہے ویسے ہی دوسروں تک پہنچائے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جہاں بھی گئے اس فریضہ کو بحسن وخوبی انجام دیا، ان سے جن لوگوں نے علم سیکھا ان کو تابعین کے نام سے جانتے ہیں، اور ان کے بعد تبع تابعین کا دور آتا ہے، تابعین کے دور میں تدوین حدیث کا آغاز ہوتا ہے۔

خلیفۃ المسلمین حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ (المتوفی ۱۰۱ھ) نے حضرت ابوبکر بن حزم کو لکھا کہ دیکھو جو بھی حدیث رسول ملے اس کو لکھ لو، کیونکہ مجھے خوف ہے کہ علماء کے چلے جانے سے علم مٹ جائے گا، اور حدیث نبوی کے علاوہ کوئی چیز قبول نہ کی جائے گی، علم کو پھیلاؤ اور بیٹھ جاؤ یہاں تک کہ جو نہیں جانتا وہ جان جائے، علم ہلاک نہیں ہوتا الا یہ کہ اس کو پوشیدہ رکھا جائے۔ (صحیح بخاری، باب کیف یقبض العلم)

حضرت عمر بن عبدالعزیز کا یہ حکم صرف اہل مدینہ کے لیے نہیں تھا بلکہ آپ نے ہر طرف یہ حکم جاری کیا کہ احادیث رسول کو لکھ لیا جائے جیسا کہ ابونعیم نے تاریخ اصبہان میں نقل کیا ہے۔ (فتح الباری:۱/۱۹۵)

پہلی صدی ہجری کے اختتام پر تدوین حدیث کا عمل شروع ہوتا ہے اور تدوین حدیث کا پہلا کام حضرت عمر

(بقیہ صفحہ ۲۰ پر)

درس حدیث

اہل بیت رسول سے محبت: جزء ایمان

مولانا عبدالمتین مدنی

وَعَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ أَلَا أَيُّهَا النَّاسُ فَإِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ يُوشِكُ أَنْ يَأْتِيَ رَسُولُ رَبِّي فَأُجِيبُ وَأَنَا تَارِكٌ فِيكُمْ ثَقَلَيْنِ أَوَّلُهُمَا كِتَابُ اللّٰهِ فِيهِ الْهُدىٰ وَالنُّورُ فَخُذُوا بِكِتَابِ اللّٰهِ وَاسْتَمْسِكُوا بِهِ ثُمَّ قَالَ وَأَهْلُ بَيْتِي أُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي، أُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي، أُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي ...الخ۔ (صحیح مسلم ح:۲۴۰۸)

ترجمہ: صحابی رسول زید بن ارقم رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے (اپنے خطبہ) میں فرمایا: اے لوگو! بیشک میں ایک انسان ہوں، قریب ہے کہ میرے رب کا فرستادہ میرے پاس آئے اور میں اس کی دعوت قبول کرلوں اور میں تمہارے درمیان دو عظیم الشان چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں، ان دونوں میں سے ایک اللہ کی کتاب ہے جس میں ہدایت اور روشنی ہے، اس لیے کتاب اللہ کو اختیار کرو، اور اسے مضبوطی سے لازم پکڑو، پھر آپ نے فرمایا اور میرے گھرانے والے، میں اپنے گھر والوں کے بارے میں اللہ (کے حکم پر عمل کرنے) کی تمہیں نصیحت کرتا ہوں، میں اپنے گھر والوں کے بارے میں اللہ (کے حکم پر عمل کرنے) کی تمہیں نصیحت کرتا ہوں، میں اپنے گھر والوں کے بارے میں اللہ (کے حکم پر عمل کرنے) کی تمہیں نصیحت کرتا ہوں۔

اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ایک اہم عقیدہ اہل بیت رسول سے محبت رکھنا اور ان کا احترام کرنا ہے۔

اہل بیت رسول سے مراد آل جعفر، آل عقیل، آل علی، آل عباس، حارث بن عبدالمطلب کی اولاد اور ازواج مطہرات ہیں۔ یہ وہ نفوس قدسیہ ہیں جن کے شرف کی رعایت کرتے ہوئے ان کے لیے صدقہ کو بھی حرام کردیا گیا، اس لیے کہ یہ نبی کریم ﷺ کے گھر کے قریبی رشتہ دار ہیں، اور اسی رشتہ کی بنیاد پر انہیں یہ مقام ومرتبہ بھی حاصل ہوا کہ ان سے محبت رکھنے کو ایمان کا جزء اور نبی سے محبت کا تقاضا قرار دیا گیا۔

اہل بیت رسول سے محبت رکھنے کا مطلب دل سے ان کی عزت کرنا، ادب واحترام سے ان کا نام لینا، ان کے محاسن اور اچھائیوں کو بیان کرنا، ان کی باتوں کو ترجیح دینا اور ان کے نقش قدم کی پیروی کرنا بشرطیکہ کوئی بات اور کوئی طریقہ سنت رسول کے خلاف یا غیر شرعی نہ ہو، اس لیے کہ اہل بیت رسول سے محبت اور ان کا احترام ایمان اور حسن عمل کے ساتھ مربوط ہے، چنانچہ خانہ نبوت کے وہ افراد جو ایمان اور حسن عمل کے زیور سے آراستہ رہے وہ تو بڑی شان ومقام کے اہل ہیں اور وہی اہل ایمان کی حقیقی محبت کے بھی مستحق ہیں، لیکن جو شخص خاندان نبوت سے رشتہ رکھنے کے باوجود ایمان اور حسن عمل کی دولت سے محروم رہا اس کے لیے یہ مقدس رشتہ بھی وجہ شرف اور باعث اعزاز نہ بن سکا۔

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: "من بطأ به عمله لم يسرع به نسبه" (صحیح مسلم ح:۲۶۹۹) جس کا عمل اسے پیچھے کردے اس کا نسب اور رشتہ اسے سبقت نہیں دلا سکتا۔

اور اس حقیقت کو اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے خاندان کے لوگوں کو بھی واضح طور پر بتلا دیا بلکہ اپنی لخت جگر فاطمہ رضی اللہ عنہا کو مخاطب کرکے کہا مجھ سے جو مال لینا چاہو لے لو، اللہ کے نزدیک میں تمہارے کام نہیں آسکتا۔

اہل بیت رسول سے محبت کے بارے میں سلف صالحین کا موقف اعتدال پر مبنی ہے نہ تو وہ ان کی شان میں مبالغہ سے کام لیتے ہیں، ان کے معصوم ہونے کا دعوی کرتے ہیں اور نہ انہیں خلافت کا اصل مستحق قرار دیتے ہیں اور خلفاء ثلاثہ کو نعوذ باللہ غاصب خلافت سمجھتے ہیں۔ اور نہ ہی ان کی کسر شان کرتے ہیں، انہیں سب وشتم کا نشانہ بناتے اور ان پر لعنت بھیجنے کو جائز سمجھتے ہیں۔ بلکہ وہ ان سے محبت رکھنے کو جزء ایمان سمجھتے ہیں اور اس محبت کے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں، نہ تو ان کے بارے میں روافض کے موقف کو حق سمجھتے ہیں، جو مبالغہ پر مبنی ہے اور نہ نواصب شام کی جو تنقیص وتشنیع کو درست سمجھتے ہیں۔

الحمد للہ اس سلسلہ میں مسلک سلف ہی کتاب وسنت کی روشنی میں برحق ہے۔ اللہ تعالی ہمیں اسی پر قائم رکھے، آمین۔ ☆☆☆

افتتاحیہ

سب سے عقل مند وہ ہے جو لوگوں کے لیے زیادہ عذر تلاش کرے

یہ سرخی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حکیمانہ قول ''اعقل الناس اعذرهم للناس'' سے ماخوذ ہے جو فاروقی خزانہ حکمت کا نہایت عمدہ ہیرا ہے، اس سے انسانی نفسیات کے گہرے فہم کا پتہ چلتا ہے، اور عملی تربیت کا نہایت درست منہج ہے، جس سے مسلمانوں کو انتقام کے گڑھے سے معاف کرنے کی بلندیوں تک پہونچایا جا سکتا ہے، آدمی اس سے غصہ اور انتقام کی آفات سے محفوظ ہو جاتا ہے جس کا نقصان انسان کے بدن، دین، دنیا بلکہ آخرت تک کو پہونچ جاتا ہے، تلاش عذر سے خود چین سے رہتا ہے اور دوسرا بھی چین سے رہتا ہے، اس حکیمانہ قول کی تشریح میں یہ خیالات ڈاکٹر ولید خالد الربیع پروفیسر کویت یونیورسٹی کے ہیں، موصوف نے اس سلسلہ میں قرآنی آیات، سیرت انبیاء اور اقوال علماء بڑی تعداد میں پیش کئے ہیں جن میں سے چند کا تذکرہ ہم اس تحریر میں کریں گے۔

ایک اثر میں ہے کہ جعفر بن محمد نے کہا: جب تمہارے کسی مسلم بھائی سے تمہیں کوئی ناپسندیدہ بات پہونچے تو اس کے لیے ایک سے لے کر ستر عذر تک کی تلاش کرو، اگر مل جائے تو ٹھیک ورنہ کہو شاید اس کے یہاں کوئی ایسا عذر ہو جسے میں نہیں جانتا۔ حمدون القصار کہتے ہیں اگر تمہارے بھائیوں میں سے کوئی بھائی غلطی کر بیٹھے تو اس کے لیے ستر عذر تلاش کرو، اگر تمہارے دل انھیں قبول نہ کریں تو یہ جان جاؤ کہ عیب تمہارے نفس میں ہے کہ مسلمان کے ستر عذر ظاہر ہو گئے اور اس نے انھیں قبول نہیں کیا، عذر اور اعتذار کا مفہوم ہے کہ انسان ایسی باتوں کا قصد کرے جس سے اس کا گناہ ختم ہو جائے۔ ڈاکٹر ولید فرماتے ہیں کہ عقل مند مسلمان کا یہ حق ہے کہ اپنے نفس اور دوسروں کے ساتھ سلامتی کی زندگی گذارے، سیر چشمی، صاف دلی، نرم خوئی اس کے اوصاف ہوں، دوسروں کی لغزشوں سے درگذر کرے، ان کے عذر قبول کرے، بردبار اور معاف کر دینے والا بن کر رہے، دل اور سینہ میں کشادگی ہو، لوگ اس کی قربت چاہیں، اس سے انس رکھیں اور ایک صالح مسلمان کے لیے سچا زندہ نمونہ بنے۔

یوسف علیہ السلام کے عفو پر غور کرو جب بھائیوں کی جانب سے انھیں انتہائی تکلیف دہ احوال سے گذرنا پڑا لیکن جب انھیں قدرت حاصل ہوئی تو انہوں نے کیا کہا، اللہ نے اس کا ذکر فرمایا ہے: ﴿ لا تثريب عليكم اليوم يغفر الله لكم وهو أرحم الراحمين﴾ (یوسف:۹۲) ابن کثیر فرماتے ہیں آج تم پر کوئی مواخذہ اور عتاب نہیں اور آج کے بعد میرے

متعلق تمہاری خطاؤں کا تم سے میں کوئی بدلہ نہیں لوں گا، پھر مزید یہ کہ ان کے لیے مغفرت اور بخشش کی دعا بھی اللہ سے کردی۔

فتح مکہ کے بعد جب رسول اللہ ﷺ کو قدرت حاصل ہوگئی تو اہل مکہ کو آپ نے کس طرح معاف کردیا قابل غور ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارا کیا گمان ہے؟ اہل مکہ بولے آپ بھائی کے بیٹے ہیں اور بردبار، رحمت شعار چچا کے بیٹے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں ویسے ہی کہتا ہوں جیسے یوسف نے کہا تھا: ﴿ لا تثريب عليكم اليوم، يغفر الله لكم وهو أرحم الراحمين﴾ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں وہ لوگ وہاں سے ایسے نکلے جیسے قبروں سے ان کا نشر ہوا ہو اور سب کے سب اسلام میں داخل ہو گئے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "أقيلوا ذوي الهيئات عثراتهم الا الحدود" یعنی اچھی خصلتوں اور اوصاف حمیدہ والوں کی لغزشیں معاف کردیا کرو، البتہ حدود والے گناہ میں ڈھیل نہیں۔ (صحیح ابوداؤد)

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿وليعفوا وليصفحوا الا تحبون أن يغفر الله لكم﴾ (النور:۲۲) اور معاف کردیں اور درگذر کردیں کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہیں معاف کردے۔

ابن کثیر کہتے ہیں: یہ بدلہ عمل کے جنس سے ہے، تمہارے ساتھ گناہ کرنے والے کے گناہ کو جیسے تم معاف اور درگذر کروگے ایسے ہی اللہ تمہیں معاف اور درگذر کرے گا۔

بعض لوگ دوسروں کے اعمال پر ملامت کرتے رہتے ہیں اور ڈانٹ پھٹکار مسلسل جاری رکھتے ہیں جس سے لوگ تنگ حال رہتے ہیں اور ملامت گر خود بھی تنگ حالی اور کرب میں مبتلا رہتا ہے۔

دکتور ولید فرماتے ہیں: حضرت عمر فاروق کا قول عین صواب اور بالکل درست ہے۔ اس لیے عقل مند شخص جب خطاؤں پر لوگوں کا عذر تلاش کرلیتا ہے تو ملامت اور تنقید سے نجات پا جاتا ہے، کیونکہ ملامت وتنقید کے مضر زہریلے اثرات انسان کے نفس پر پڑتے ہیں اور انسان کے سلوک واعمال میں نمایاں ہوکر اس کے دل کی راحت چھین لیتے ہیں اور نتیجۃً اللہ کی اطاعت اور اس کے دین کی تابع داری کے ذریعہ دنیا اور آخرت کی سعادت کے حصول کے جو حقیقی مقاصد ہوتے ہیں انسان ان سے دور ہوجاتا ہے۔

☆☆☆

احکام قربانی

محمد اسلم مبارک پوری

قربانی اسلام کا ایک اہم شعار ہے جس کی قرآن وحدیث میں بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:
﴿فصل لربك وانحر﴾ (الکوثر:۲) اے نبی (ﷺ) اپنے رب کے لیے نماز پڑھ اور قربانی کر۔
آیت کریمہ میں ''نحر'' سے مراد مطلق قربانی ہے۔(۱)
ابن قدامہ نے فرمایا: بعض اہل تفسیر کا قول ہے کہ اس سے مراد ''نماز عید کے بعد کی قربانی ہے''۔(۲)

قربانی دراصل اس عمل کا نام ہے جسے اللہ تعالی کی قربت اور نزدیکی حاصل کرنے کے لیے کیا جاتا ہے۔ یہ ''قرب'' سے مشتق ہے، عربی زبان میں قرب نزدیکی کے معنی میں ہے، جو بعید کی ضد ہے۔(۳) اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿ان رحمة الله قريب من المحسنين﴾ (الاعراف:۵٦) یقیناً اللہ تعالی کی رحمت محسنوں سے قریب ہے۔

''قربانی'' یہ فارسی لفظ ہے اور اسم ہے، عربی زبان میں یہی لفظ (قربان) بغیر یاء کے آتا ہے، جو قرّب یقرّب کا مصدر ہے، علامہ جوہری لکھتے ہیں: "والقربان –بالضم– ما تقربت به إلى الله عزوجل، تقول منه: قرّبت لله قربانا" (۴) قربان- پیش کے ساتھ- ہر وہ چیز جس سے اللہ عزوجل کی قربت حاصل کیا جائے، اسی سے قرّبت لله قربانا بولا جاتا ہے، لہذا قربانی کی تعریف یہ ہوئی کہ ہر وہ چیز جو اللہ ذوالجلال والاکرام کی بارگاہ میں اس کا تقرب حاصل کرنے کے لیے پیش کی جائے۔

آدم علیہ السلام کے دونوں بیٹوں کی قربانی کے بارے میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿واتل عليهم نبأ ابني آدم بالحق إذ قربا قربانا فتقبل من أحدهما ولم يتقبل من الآخر﴾ (المائدہ:۲۷) آدم علیہ الصلاۃ والسلام کے دونوں بیٹوں کا کھرا کھرا حال بھی انہیں سنا دو، ان دونوں نے ایک نذرانہ پیش کیا، ان میں سے ایک کی نذر مقبول ہوئی اور دوسرے کی مقبول نہ ہوئی۔

اور شرعی اصطلاح میں اللہ رب العالمین کی قربت حاصل کرنے کے لیے مخصوص ایام میں مخصوص جانور ذبح کیا جائے، اس کا نام قربانی ہے۔

قربانی کی مشروعیت پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔(۵)

---

(۱) تفسیر احسن البیان ص ۱۴۳۱۔ (۲) المغنی ۳۶۰/۱۳۔
(۳) المعجم الوسیط ۲/ ۷۲۳۔ (۴) الصحاح ص ۸۴٦ نیز دیکھیں: القاموس المحیط ص ۱۲۷۔
(۵) المغنی ۳۶۰/۱۳، فتح الباری: ۵/۱۰، کفایۃ الاخیار ۲/ ۸۲۷۔

قربانی کے ایک اہم شعار ہونے کی وجہ سے شریعت نے اس میں نصاب کی کوئی شرط نہیں لگائی ہے، ہاں اتنا ضرور ہے کہ قربانی کا حکم صاحب استطاعت کے لیے ہے: "من كان له سعة ولم يضح فلا يقربن مصلانا". (۱) جو شخص قربانی کی استطاعت پائے اور قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ میں نہ آئے۔

شیخ الحدیث مبارکپوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ولكن هذا الوجوب مقيد بالسعة فمن لا سعة له لا أضحية عليه. (۲) لیکن قربانی کے وجوب کا حکم استطاعت کے ساتھ مقید ہے، لہذا اب جس کے پاس استطاعت نہیں، اس پر قربانی واجب نہیں، امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ قربانی کو سنت کہنے کے باوجود یہ فرماتے ہیں: "لا أحب تركها" (۳) ہمیں اس کا چھوڑنا محبوب نہیں۔

قربانی کا حکم بیان کرنے کے بعد اس کے چند احکام پیش خدمت ہیں:

۱-قرض لیکر قربانی کرنا:

انسان کے پاس بروقت پیسہ نہ ہو تو اس کے لیے قرض لیکر قربانی کرنا جائز ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: ''قرض لیکر قربانی کرنا ایک مستحسن چیز ہے، اگرچہ یہ واجب اور ضروری نہیں ہے۔ (۴) اور فتاوی اللجنۃ الدائمۃ میں ہے: "يجوز ذبح الأضحية ولو تأخر دفع قيمتها عن ذبحها" (۵) قربانی کرنا جائز ہے اگرچہ جانور کی قیمت اسے ذبح کرنے کے بعد ادا کی جائے۔

۲-قربانی کا جانور:

قربانی کا جانور پاکیزہ، عمدہ اور فربہ ہونا چاہئے، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "إن الله طيب لا يقبل إلا طيبا" (۶) اللہ پاکیزہ ہے اور پاکیزہ چیز ہی قبول کرتا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بڑے اہتمام سے قربانی کا جانور پالتے، اور اسے کھلا پلا کر فربہ بناتے تھے، ابوامامہ بن سہل رضی اللہ

---

(۱) بروایت ابو ہریرہ، اسے ابن ماجہ (۳۱۲۳) احمد (۲/۳۲۱) نے مرفوعا روایت کیا ہے، اور حاکم نے مستدرک (۲/۳۸۹) میں اس کی تصحیح فرمائی ہے۔ حافظ ابن حجر فتح الباری (۱۰/۶) میں لکھتے ہیں: اس کے رجال ثقہ ہیں لیکن اس کے مرفوع وموقوف ہونے میں اختلاف ہے اور موقوف ہونا زیادہ صحیح ہے۔ (نیز دیکھو بلوغ المرام ص ۴۹۴ والمحرر فی الحدیث ۳۴۷)، متاخرین علماء میں سے امام البانی رحمہ اللہ نے مرفوعا روایت کو حسن کہا ہے، دیکھو: صحیح ابن ماجہ ۲/۱۹۹، حدیث: ۲۵۳۲۔

(۲) مرعاۃ المفاتیح ۵/۷۳۔ (۳) الأم ۱/۸۴۱، ۸۴۴، موطأ مالک ۲/۳۸۸۔

(۴) مجموع فتاوی شیخ الاسلام ۲۶/۳۰۵۔ (۵) ۱۱/۴۱۱۔

(۶) مسائل احمد بروایۃ کوسج ۲/۳۶۹، نیل الاوطار ۵/۱۳۴، ابن رشد نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے اگر عیب بہت معمولی ہو تو اس کا اعتبار نہیں، بدایۃ المجتہد ۱/۴۳۱۔

(۷) مسائل احمد بروایۃ کوسج ۲/۳۶۹، مجمع الزوائد ۴/۲۴، فقہ اسلامی ۲/۵۳۷۔ (۸) مسلم: ۱۰۱۵۔

عنہ کہتے ہیں: كنا نسمن الأضحية بالمدينة كان المسلمون يسمنون۔ (۱) ہم مدینہ (نبویہ) میں قربانی کے جانور کو کھلا پلا کر موٹا کرتے اور دیگر مسلمان بھی اسے موٹا کرتے تھے۔ اور نبی ﷺ نے سینگوں والے قیمتی، چتکبرے جس کے پاؤں اور پیٹ کا حصہ اور آنکھیں کالی تھیں، قربانی کی ہیں۔ اس سلسلہ میں امام بخاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "ويذكر سمينين" (۲) بعض روایت میں فربہ ہونے کا بھی ذکر کیا جاتا ہے۔ (۳)

ہمارے معاشرہ میں بعض لوگ قربانی کے جانور کو پالنے اور اسے موٹا، تازہ، عمدہ بنانے کے بعد فروخت کر دیتے ہیں، اور قربانی کے لیے اس کے عوض میں کوئی دوسرا جانور جو قیمت میں سستا اور فروخت کردہ جانور سے کمزور اور ہزیل ہوتا ہے قربانی کرتے ہیں، ان کا یہ عمل خلاف شرع ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿لن تنالوا البر حتى تنفقوا ما تحبون﴾ (آل عمران: ۹۲) جب تک تم اللہ کی راہ میں اپنی عزیز ترین چیز خرچ نہیں کرو گے اس وقت تک (بھلائی) نہیں پا سکتے۔

﴿والبدن جعلناها لكم من شعائر الله لكم فيها خير﴾ (الحج: ۳٦) قربانی کے اونٹ (اور دوسرے جانور) کو ہم نے تمہارے لیے اللہ تعالی کے نشانات مقرر کئے ہیں ان میں تمہارے لیے خیر و بھلائی ہے۔

﴿ومن يعظم شعائر الله فإنها من تقوى القلوب﴾ (الحج: ۳۲) اور اللہ کی نشانیوں کی جو عزت و حرمت کرے اس کے دل کی پرہیزگاری کی وجہ سے ہے۔

اخیر کی دونوں آیات کریمہ میں قربانی کے جانور کو ''شعائر اللہ'' کہا گیا ہے، ان کی تعظیم کا مطلب ان کا استحسان واستسمان ہے، یعنی عمدہ اور موٹا تازہ جانور قربانی کرنا، اس تعظیم کو دل کا تقوی قرار دیا گیا ہے۔ (۴)

۳- قربانی کے گوشت کی تقسیم:

ہمارے یہاں مشہور ہے کہ قربانی کے گوشت کو تین حصوں میں تقسیم کرنا چاہئے، ایک حصہ اپنے لیے، دوسرا حصہ رشتہ داروں کے لیے اور تیسرا اغرباء وفقراء کے لیے، اور بعض علماء نے کہا ہے کہ دو حصہ کرنا چاہئے لیکن یہ دونوں تقسیم غلط ہے، اس پر کوئی شرعی نص نہیں ہے، قرآن وحدیث کی تعلیم اس کے برعکس ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿فكلوا منها وأطعموا البائس الفقير﴾ (الحج: ۲۸) قربانی کے جانور سے تم بھی کھاؤ اور بھوکے فقیروں کو بھی کھلاؤ، آپ ﷺ کا ارشاد ہے: "فكلوا من لحم الأضاحي ما بدأ لكم وتزودوا وادخروا" (۵) قربانی کے گوشت سے جتنا ہو سکے کھاؤ، اور توشہ بناؤ اور ذخیرہ اندوزی بھی کرو۔ دوسری حدیث میں ہے: "فكلوا وتصدقوا وادخروا" (٦) کھاؤ، صدقہ کرو اور ذخیرہ

(۱) بخاری ۱/۱۱، شیخ البانی نے اسے صحیح کہا ہے، مختصر صحیح بخاری ۳/۴۹۲۔ (۲) بخاری: ۱۰/۱۱۔
(۳) مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: ابن ماجہ: ۳۱۲۲، الارواء: ۱۱۳۸، صحیح ابن ماجہ: ۲/۱۹۹ (۲۵۳۱)
(۴) دیکھو: الام: ۱/۸۴۳، ۸۴۴۔ (۵) الام: ۱/۸۴٦۔
(٦) نسائی ۷/۲۳۵، مسلم ۱۳/۱۳۵، بلفظ "فأمسكوا ما بدأ لكم"۔ (۷) بخاری: ۵۵٦۹، مسلم ۱۳/۱۳۱۔

اندوزی کرو۔

فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''المختار'' میں ہے: "ويأكل من لحمها ويطعم الأغنياء والفقراء ويدخر" (۱) قربانی کے گوشت سے خود کھائے، مالداروں اور فقیروں کو کھلائے، اور ذخیرہ کرے۔ ہاں اگر ایک قربانی میں کئی لوگ شریک ہوں (جیسے اونٹ کی قربانی میں دس اور گائے کی قربانی میں سات افراد) تو ایسی صورت میں وزن سے برابر برابر گوشت تقسیم کیا جائے گا، اگر اختلاف اور نزاع کا خدشہ ہو۔ (۲)

۴-حاملہ جانور کی قربانی:

حاملہ جانور کی قربانی جائز ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ اے اللہ کے رسول ﷺ ہم اونٹ، گائے، بکری کی قربانی کرتے ہیں اور اس کے پیٹ میں بچہ پاتے ہیں ہم اسے پھینک دیں یا کھا جائیں، آپ ﷺ نے فرمایا: "كلوا ان شئتم، فإن ذكاته ذكاة أمه" (۳) اگر چاہو تو کھاؤ کیونکہ جنین کا ذبح کرنا اس کے ماں کا ذبح کرنا ہے۔

دوسری حدیث میں ہے: "ذكاة الجنين ذكاة أمه" (۴) یعنی ماں کے ذبح کردینے سے اس کے پیٹ کا بچہ از خود ذبح ہو جاتا ہے، اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔ (۵) اس کا مطلب یہ ہے کہ جنین جب ماں کے ذبح کئے جانے کے بعد مردہ برآمد ہو تو ایسے جنین کا کھانا حلال ہے، اسے از سر نو ذبح کرنے کی ضرورت نہیں، اگر زندہ برآمد ہوا ہے تو اسے ذبح کیا جائے گا۔ (۶)

۵-قربانی کا وقت:

قربانی کا وقت عید کی نماز کے بعد سے شروع ہوتا ہے، اور بشمول یوم النحر چار روز رہتا ہے، یعنی ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ذی الحجہ کی غروب شمس تک اور یہ حکم سب کے لیے ہے، دیہات اور غیر دیہات کا کوئی فرق نہیں۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے ﴿أيام معدودات﴾ (البقرہ:۲۰۳) کی بابت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ "الأيام المعدودات: أيام التشريق، وهي أربعة أيام، يوم النحر وثلاثة بعده" یعنی ایام معدودات (گنتی کے چند دن) سے مراد ایام تشریق یعنی یوم النحر پھر تین دن اس کے بعد ہیں۔ (۷)

یوم النحر کو قربانی کرنا دیگر ایام کے بالمقابل افضل ہے کیونکہ نبی ﷺ ہمیشہ اس پر عمل پیرا رہے، آپ ﷺ مدینہ میں دس

---

(۱) المختار: ۵/۲۲ لابن مودود الموصلی متوفی ۶۸۳ھ۔ (۲) حوالہ سابق۔

(۳) ابوداود: ۲۸۲۷، ترمذی ۱۴۷۶، ابن ماجہ ۳۱۹۹، احمد ۳/۳۱، یہ حدیث صحیح ہے، صحیح سنن ابن ماجہ: ۲/۲۱۲۔

(۴) ابوداود: ۲۸۲۸، ترمذی: ۱۴۷۶، حاکم: ۴/۱۱۴، علامہ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔ (الارواء: ۲۵۳۹)

(۵) الاجماع لابن المنذر ص ۲۵۔ (۶) مسائل احمد بروایۃ کوسج: ۱/۵۵۹، کفایۃ الاخیار: ۲/۷۷۔

(۷) فتاوی اللجنۃ الدائمۃ: ۱۱/۴۰۲۔ (۸) تفسیر ابن کثیر: ۱/۳۶۸۔

سال رہے اور قربانی کرتے رہے، حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے سو اونٹ قربان کیے، ان سب قربانیوں میں آپ کا ہمیشہ یہی معمول رہا کہ آپ پہلے دن قربانی کرتے جیسا کہ ایک حدیث میں اس کی طرف اشارہ ملتا ہے، "ان أعظم الأيام عند الله يوم النحر ثم يوم القر" حضرت عبداللہ بن قرط سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا بے شک اللہ تعالی کے نزدیک دنوں میں سب سے عظیم دن یوم النحر (عید کا پہلا دن) ہے، پھر یوم القر (یعنی دوسرا دن) ہے۔(ابوداود: ۱۷۶۵، صحیح ابوداود: ۱۵۵۲)

فقہ حنفی کی مشہور ومتداول کتاب "ہدایہ" میں بھی یہی تسلیم کیا گیا ہے۔(۱) یہی امام شافعی اور اوزاعی (۲) کا خیال ہے، اسی کو امام شوکانی (۳) اور ابن کثیر نے راجح قرار دیا ہے۔(۴) اور تائید میں آیت کریمہ ﴿فمن تعجل في يومين فلا إثم عليه، ومن تأخر فلا إثم عليه﴾ پیش کیا ہے، اور کہا: "فدل على ثلاثة بعد النحر" آیت کریمہ یوم النحر کے بعد تین دن ایام تشریق ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ ایام قربانی یوم النحر اور اس کے بعد تین دن (۱۱، ۱۲، ۱۳/ ذی الحجہ) ہیں تو ان ایام میں قربانی کرنا بھی ثابت ہو گیا، اسی لیے تو ان ایام میں - بالا جماع - روزہ رکھنا حرام قرار دیا گیا ہے۔(۵) لہذا ایام تشریق کھانے پینے کے دن ہیں، چنانچہ جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: "كل أيام التشريق ذبح" (۳۴) ایام تشریق ذبح کے دن ہیں۔ اور عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے "أيام التشريق أيام أكل وشرب" (۶) ایام تشریق کھانے پینے کے دن ہیں۔

قربانی کے وقت کی تعیین سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ رات میں قربانی کرنا درست ہے۔(۷) اور اس کی ممانعت کے بارے میں کوئی صحیح دلیل نہیں ہے، بلکہ ممانعت والی روایت ضعیف ہے، اس کی سند میں سلیمان بن سلمہ "متروک" ہے۔(۸)

۶- قربانی اپنے ہاتھ سے کرے:

جیسا کہ نبی ﷺ نے کیا ہے، اور یہی افضل ہے اور سنت بھی۔(۹)، اگر خود ذبح نہیں کر سکتا تو اس کے گھر کی عورتیں ذبح کریں۔(۱۰) ورنہ پھر کسی کو اپنا وکیل بنا دے جو اس کی طرف سے ذبح کرے اور خود وہاں موجود رہے۔(۱۱) اور اپنے گھر

(۱) ہدایہ: ۱۴۶۸/۴۔
(۲) الام: ۸۴۸/۱، بدایۃ المجتہد: ۴۳۶/۱۔
(۳) نیل الاوطار: ۱۴۲/۵۔
(۴) تفسیر ابن کثیر: ۳۶۸/۱۔
(۵) مرابت الاجماع ص ۴۰، فتح الباری ۲۳۹/۴، ۵۹۱/۱۱، شرح مسلم نووی: ۱۵/۸۔
(۶) احمد ۸۲/۴، دار قطنی ۲۸۴/۴، صحیح الجامع ۸۳۴/۲ (۴۵۳۷) دیکھیں: مجمع الزوائد ۲۷/۴-۲۸۔
(۷) احمد ۲۲۴/۵ بسند صحیح، الارواء ۱۳۰/۴۔
(۸) ہدایہ ۱۴۶۸/۴، الام ۸۴۱/۱، ۸۴۸، مسائل احمد بروایۃ کوسج ۳۷۳/۲۔
(۹) مجمع الزوائد ۲۶/۴، نیل الاوطار ۱۴۳/۵۔
(۱۰) بخاری: ۵۵۵۴، ۵۵۶۵، مسلم: ۱۲۰/۱۳۔
(۱۱) بخاری: ۲۱/۱۔
(۱۲) الثمر الدانی ص ۳۹۴، مختصر فقہ اسلامی ۵۴/۲۷۔

میں ذبح کرائے یا علی الاقل اپنے شہر میں، تا کہ اس کا مشاہدہ کرے اور قربانی کا گوشت کھا سکے، کیونکہ نبی ﷺ نے جب علی رضی اللہ عنہ کو ۶۳/اونٹ ذبح کرنے کے بعد بقیہ اونٹوں کو ذبح کرنے کا وکیل بنایا تو انہیں یہ حکم دیا کہ ہر اونٹ کے گوشت کا کچھ حصہ کاٹ لیں، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا، پھر گوشت پکایا گیا، اور آپ ﷺ نے گوشت کھایا اور شوربہ پیا۔(۱)

یہاں یہ بیان کردینا مناسب ہوگا کہ بعض لوگ یا بعض جمعیتیں یا ادارے لوگوں سے قربانی کی قیمت (جوان کے یہاں مقرر ہو) وصول لیتے ہیں، پھر ایسے جانور ذبح کرتے ہیں جو وصول کردہ قیمت سے کم اور بالکل نحیف وہزیل ہوا کرتے ہیں، بسا اوقات ایسے جانور ذبح کردیئے جاتے ہیں جو شرعاً قربانی کے لیے ممنوع ہوتے ہیں، ان کا یہ فعل درست نہیں، اس میں غرر وضرر اور مفاد پرستی ہے۔

۷-قربانی کا طریقہ:

سنت یہ ہے کہ اونٹ کو کھڑا کرکے نحر کیا جائے (یعنی حلقوم میں نیزہ یا چھری یا کوئی تیز دھاردار آلہ مارا جائے جس سے اس کی شہ رگ کٹ جائے) اور دوسرے جانوروں (مثلاً گائے اور بکری وغیرہ) کو ذبح کیا جائے یعنی زمین پر لٹا کر اس کے گلے پر چھری پھیری جائے، اور اس کے برعکس بھی جائز ہے۔(۲) اونٹ کا نحر گردن کے نچلے حصہ میں سینہ کی طرف ہوگا، اور گائے وبکری کی گردن کے اوپر کا حصہ حلق کے پاس سے کاٹا جائے گا اسے بائیں پہلو کے بل قبلہ رخ لٹایا جائے پھر آدمی اپنا دایاں پاؤں اس کی گردن پر رکھے اور اس کا سر قوت سے پکڑے اور ذبح کرے، ذبح اور نحر کے وقت بسم اللہ اللہ اکبر کہے۔(۳) ذبح میں حلقوم، شہ رگ اور گردن کی دونوں رگوں یا ایک رگ کاٹنے اور خون بہا دینے سے ذبیحہ حلال ہوجاتا ہے۔(۴) اگر سر جدا ہوگیا تو کوئی حرج نہیں۔(۵)

ذبح کے وقت درج ذیل امور کا خیال کرنا بہت ضروری ہے:

۱-ذبح کرنے سے پہلے چھری تیز کرلینی چاہئے، کند چھری سے ذبح کرنا جانور کو تکلیف دینا ہے۔
۲-ذبح کرنے میں دیر نہ کرے، بلکہ جلدی کرے۔
۳-جانور کے سامنے چھری تیز نہ کرے۔
۴-جانور کے جسم سے روح نکلنے سے پہلے اس کی گردن توڑنا، اور اس کی کھال نکالنا درست نہیں ہے۔
۵-جانور کو قبلہ رخ کرے، اور ذبح کرنے والا بھی خود قبلہ رخ ہو۔

شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ عزوجل نے ہر چیز پر احسان کرنا فرض قرار دیا ہے، لہذا جب تم قتل

(۱) مسلم، کتاب الحج: ۱۴۷، نیز دیکھئے فقہ العبادات ص ۳۹۸۔ (۲) مرعاۃ المفاتیح ۲۸/۷۔
(۳) بخاری: ۵۵۶۵، مسلم: ۱۲۰/۱۳۔ (۴) بدایۃ المجتہد ۴۴۴/۱، ۴۴۷۔
(۵) الثمر الدانی ص ۳۹۹۔

کروتو عمدہ اور اچھے طریقہ سے قتل کرو اور جب ذبح کروتو احسن طریقہ سے ذبح کرو اور تم میں سے ہر کسی کو چاہئے کہ اپنی چھری تیز کرلے اور اپنے ذبیحہ کو آرام پہنچائے۔(۴۶)

دوسری روایت میں ہے: آپ ﷺ نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو حکم دیتے ہوئے فرمایا: "اشحذیها بحجر" (۴۷) پتھر پر رگڑ کر چھری خوب تیز کرلو۔(۴۷)

۸- ذبیحہ کے خون سے دیواروں کو رنگنا، یا اسے اپنی پیشانی پر لگانا جاہلیت کی رسم ہے۔(۴۸) کیونکہ مشرکین عرب قربانی کا خون کعبہ کی دیواروں میں لگاتے تھے، اسی طرح یہود بھی جانوروں کے خون ان جگہوں پر چھڑک دیتے تھے جہاں قربانی کا عمل انجام دیتے تھے، یہ دیکھ کر بعض صحابہ کرام نے کہا کہ ہم تو ان سے زیادہ اس کے حقدار ہیں، اللہ تعالی نے ان کی تردید کرتے ہوئے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: ﴿لن ينال الله لحومها ولا دماؤها ولكن يناله التقوى منكم﴾ (الحج:۳۷)(۴۹)

۹-قربانی کا ارادہ رکھنے والے پر ذی الحجہ کا نیا چاند طلوع ہونے کے بعد اپنے بال، ناخن اور جلد میں سے کچھ کاٹنا حرام ہے، حدیث میں ہے: "إذا دخل العشر وعنده أضحية يريد أن يضحى فلا يأخذن شعرا ولا يقلمن ظفرا" (۵۰) جب عشرۂ ذی الحجہ داخل ہوجائے، اور اس کے پاس قربانی کا جانور ہو اور اسے ذبح کرنا چاہتا ہو تو وہ بال نہ کاٹے اور نہ ناخن تراشے۔

دوسری روایت میں ہے: "إذا دخلت العشر وأراد أن يضحى فلا يمس من شعره وبشره شيئا"۔ (۵۱) جب عشرۂ ذی الحجہ شروع ہوجائے اور تم میں سے کوئی قربانی کا ارادہ رکھتا ہو تو وہ اپنے بال اور جلد میں سے کسی چیز کو ہاتھ نہ لگائے۔

ایک دوسری روایت میں ہے: "حتى يضحى" (۵۲) تا آنکہ قربانی کرلے۔

یہاں پر بعض لوگوں کی اس غلط فہمی کا ازالہ ضروری ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ اگر کسی انسان نے ان ایام میں بال یا ناخن کاٹ لیا تو اس کی قربانی نہیں ہوگی۔ واضح رہے کہ قربانی کرنا ایک الگ عمل ہے، اگر کوئی شخص بال یا ناخن بھول کر یا جان بوجھ کر کاٹتا ہے تو وہ عاصی ہوا، اس پر کفارہ نہیں بلکہ اسے توبہ کرلینی چاہئے۔ امام ابن قدامہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں: فإن فعل فاستغفر الله تعالى ولا فدية فيه سواء فعل عمدا أو نسيانا۔ (المغنی ۱۳/۳۶۳) اگر کسی نے جان بوجھ کر یا بھول کر بال یا ناخن کاٹ لیا تو علماء کا اجماعی مسئلہ ہے کہ وہ استغفار کرے گا، اس پر کوئی فدیہ نہیں ہے۔ ☆☆☆

---

(۱) مسلم ۱۳/۱۰۶۔ (۲) مسلم ۱۳/۱۲۱۔

(۳) فتاوی اللجنۃ الدائمۃ ۱۱/۴۳۳۔

(۴) تفسیر ابن کثیر ۳/۳۸۰، مزید دیکھئے تیسیر الرحمٰن لبیان القرآن ۲/۹۵۷، لیکن آیت کریمہ کے نزول کا سبب ضعیف ہے، واللہ اعلم۔

(۵) مسلم: ۱۳/۱۳۸۔ (۶) حوالہ بالا۔ (۷) حوالہ بالا۔

فضائل قربانی کی احادیث

کا ایک علمی جائزہ

(قسط:۲-۲)

غازی عزیر

چوتھی حدیث

فضائل قربانی کے بارے میں چوتھی حدیث یوں بیان کی جاتی ہے:

"أيها الناس ضحوا واحتسبوا بدماء ها فإن الدم وإن وقع في الأرض فإنع يقع في حرز الله عز وجل".

اے لوگو قربانی کرواور اس کے خون سے ثواب کی امید رکھو کیونکہ جب خون زمین پر گرتا ہے تو وہ حرز اللہ عز وجل میں پہنچ جاتا ہے''۔

اس حدیث کو بھی امام طبرانی ؒ نے اپنی ''معجم الاوسط'' میں حضرت علی ؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے، لیکن امام ہیثمی ؒ فرماتے ہیں: ''اس کی سند میں عمرو بن الحصین العقیلی موجود ہے جو کہ متروک الحدیث ہے''۔(۱)

اس عمرو بن الحصین العقیلی الکلابی کے متعلق امام ابن حجر عسقلانی ؒ فرماتے ہیں: ''طبقہ دہم کا متروک راوی ہے''۔ امام دارقطنی ؒ نے اسے ''متروک'' ابو حاتم الرازی ؒ نے ''ذاہب الحدیث، لیس بشئی''، ابوزرعہ ؒ نے ''واہی الحدیث''، ابن عدی ؒ نے ''متروک الحدیث'' اور ازدی ؒ نے ''بہت زیادہ ضعیف'' قرار دیا ہے۔(۲)

عمرو بن الحصین راوی کی موجودگی کے باعث یہ حدیث ''موضوع'' قرار پائی۔ علامہ محمد ناصر الدین الالبانی حفظہ اللہ نے بھی اس حدیث کو ''موضوع'' یعنی من گھڑت قرار دیا ہے۔(۳)

پانچویں حدیث

اس باب کی پانچویں حدیث یہ ہے:

"ما أنفقت الورق في شيء أحب إلى الله من نحير ينحر في يوم عيد".

---

(۱) مجمع الزوائد ج۴ص ۱۷۔

(۲) الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم ۳/ ۲۲۹، کامل فی الضعفاء لابن عدی ۵/ ۱۷۹۸، میزان الاعتدال للذھبی ۳/ ۲۵۲ - ۲۵۳، تہذیب التہذیب لابن حجر ۸/ ۲۱، تقریب التہذیب لابن حجر ۲/ ۶۸، الضعفاء والمتروکون للدارقطنی ترجمہ نمبر ۳۹۰، قانون الضعفاء للفتنی ص ۲۸۰، الضعفاء والمتروکین لابن الجوزی ۲/ ۲۲۴، کشف الحثیث عمن رمی بوضع الحدیث للحلبی ص ۳۲۲، سنن دارقطنی ۱/ ۱۰۲، ۱۲۸، ۲۲۱، تلخیص المستدرک للذھبی ۲/ ۱۲، ۳/ ۱۳۸، ۴/ ۳۴۲، تنزیہ الشریعہ لابن عراق ۱/ ۹۳، مجمع الزوائد للہیثمی ۵/ ۱۷۱، نصب الرایہ للزیلعی ۱/ ۲۰، ۱۲۵، ۲۰۵، ۲۰۶، ۴/ ۲۶۲۔

(۳) سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ للالبانی ۲ص ۱۶۔

قربانی کے دن کہیں روپیہ پیسہ خرچ کرنا اللہ تعالی کے نزدیک قربانی میں خرچ کرنے سے افضل نہیں ہے۔

اس حدیث کو امام طبرانیؒ نے ''معجم الکبیر'' میں (۱)، امام دارقطنیؒ نے اپنی ''سنن'' (۲) اور اپنے ''خلاصۂ فوائد'' (۳) میں، قاسم الہمدانی نے اپنی کتاب ''الفوائد'' میں (۴) اور ابن ابی شریح نے اپنی جزء بیبی'' (۵) میں بطریق ابراہیم بن یزید الخوزی عن عمرو بن دینار عن طاؤس عن ابن عباس مرفوعاً یہ روایت کیا ہے۔

ان مخرجین حدیث کے علاوہ امام ابن تیمیہؒ نے اس حدیث کو ''منتقی الاخبار'' (۶) میں بحوالہ دارقطنیؒ، علامہ متقیؒ نے ''کنز العمال'' (۷) میں، علامہ منذریؒ نے ''ترغیب'' (۸) میں اور علامہ سیوطیؒ نے ''جامع الصغیر'' (۹) میں بحوالہ طبرانی وسنن بیہقیؒ وارد کرکے گویا اس کی صحت کی طرف اشارہ کیا ہے جبکہ امام ابن الجوزیؒ نے اپنی کتاب ''العلل المتناهية في الاحاديث الواهية'' میں اسے وارد کرنے کے بعد فرمایا ہے۔

''یہ حدیث صحیح نہیں ہے، امام احمدؒ اور امام نسائیؒ فرماتے ہیں ابراہیم بن یزید متروک ہے اور یحییٰؒ کا قول ہے کہ ''وھیلہ کے برابر بھی نہیں ہے''۔ (۱۰)

امام ابن الجوزیؒ کے علاوہ محدثین میں سے علامہ ہیثمیؒ بھی ''مجمع الزوائد ومنبع الفوائد'' میں فرماتے ہیں۔ (۱۱)

''اس کی سند میں ابراہیم بن یزید الخوزی ہے جو کہ ضعیف ہے''۔

اور امام ابن حبانؒ نے اپنی کتاب ''المجروحین'' (۱۲) میں اسے ابراہیم بن یزید الخوزی کے ترجمہ میں وارد کیا ہے لیکن ابن حبانؒ کی روایت میں "من نحير يُنحر" کے بجائے "من نحرة تنحر" کے الفاظ وارد ہیں۔

اس ابراہیم بن یزید الخوزی المکی کے متعلق امام احمد، نسائی، علی بن جنید، اور ابن حجر عسقلانی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ''متروک الحدیث'' ہے، امام یحییٰ کا قول ہے کہ ''کچھ بھی نہیں ہے''، آں رحمہ اللہ کا ہی ایک دوسرا قول ہے کہ ''ثقہ نہیں ہے''، امام دارقطنیؒ نے اسے منکر الحدیث بتایا ہے، امام بخاریؒ کا قول ہے: "سكتوا عنه"، امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اس کے بارے میں بعض اہل علم نے حافظ کی نسبت سے کلام کیا ہے، مگر ابن عدی فرماتے ہیں: "يكتب حديثه" امام ابن حبان فرماتے ہیں: ''اس نے بہت سی منکرات اور اوہام غلیظہ روایت کی ہیں، برقیؒ کا قول ہے کہ ''وہ کذب کے لیے متہم ہے''۔ تفصیلی ترجمہ کے لیے حاشیہ ۵۱ میں درج کتب ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) معجم الکبیر للطبرانی ج نمبر ۱۱/۳ص ۱۰۲۔ (۲) سنن دارقطنی ۲۸۲/۴۔
(۳) خلاصہ فوائد للدارقطنی ۸۴/۱۔ (۴) فوائد للھمدانی ۱۹۶/۱۔
(۵) جزء بیبی لابن ابی شرح ج نمبر ۲/۱ص ۱۶۸۔ (۶) منتقی الاخبار لابن تیمیہ مترجم ج نمبر ۱ص ۱۰۴۱۔
(۷) کنز العمال للمتقی ج ۲ص ۳۷۱۔ (۸) ترغیب للمنذری ج ۲ص ۱۵۵۔
(۹) جامع الصغیر للسیوطی ج ۲ص ۱۴۲۔ (۱۰) علل المتناهية لابن الجوزی ۷۸/۲۔
(۱۱) مجمع الزوائد للھیثمی ۱۷/۴۔ (۱۲) مجروحین لابن حبان ۱۰۱/۱۔

پس یہ حدیث ابراہیم بن یزید الخوزی کی موجودگی کے باعث بہت زیادہ ضعیف قرار پائے گی۔علامہ شیخ محمد ناصر الدین الالبانی حفظہ اللہ نے اس کو بجاطور پر ''ضعیف جدا'' قرار دیا ہے۔(۱)

چھٹی حدیث

اس باب کی چھٹی حدیث حسب ذیل ہے:

"يا فاطمة قومي إلى أضحيتك فاشهد بها فإنه يغفر لك عند أول قطرة من دمها كل ذنب عملتيه وقولي إن صلاتي ونسكي ومحياي ومماتي لله رب العالمين، لا شريك له وبذلك أمرت وأنا أول المسلمين (الآية) قال عمران: قلت يا رسول الله هذا لك ولأهل بيتك خاصة أم للمسلمين عامة؟ قال لا بل للمسلمين عامة".

اے فاطمہ اٹھ کر اپنی قربانی کے پاس ہو جاؤ کیونکہ تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ اس قربانی کے خون کا پہلا قطرہ گرنے پر ہی تیرے تمام گناہوں کی مغفرت ہو جائے گی۔اس وقت یہ دعا پڑھو: "ان صلاتي ونسكي ومحياي ومماتي لله رب العالمين لا شريك له وبذلك أمرت وأنا أول المسلمين" حضرت عمران بیان کرتے ہیں کہ میں نے سوال کیا یا رسول اللہ کیا یہ فضیلت خاص آپ اور آپ کے اہل بیت کے لیے ہے یا عام مسلمانوں کے لیے بھی ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ اس میں عام مسلمان بھی شامل ہیں۔

اس حدیث کی تخریج امام حاکمؒ نے ''مستدرک علی الصحیحین ''(۲) میں،امام بیہقی نے اپنی ''سنن الکبری'' میں اور طبرانیؒ نے ''المعجم الکبیر'' و''المعجم الاوسط'' بطریق نضر بن اسماعیل البجلی ثنا ابوحمزہ الثمالی عن سعید بن جبیر عن عمران بن الحصین مرفوعا قال بہ کی ہے۔امام ترمذیؒ نے اپنی ''جامع'' میں اس حدیث کی طرف ان الفاظ میں اشارہ فرمایا ہے: "وفي الباب عن عمران بن الحصين " (۳)،اس حدیث کو اسحاق بن راہویہ نے بھی اپنی ''سند'' میں بطریق یحییٰ بن آدم وابوبکر بن عیاش،عن ثابت عن ابی اسحاق عن عمران بن الحصین فذکرہ روایت کیا ہے،جیسا کہ علامہ زیلعیؒ نے ''نصب الرایہ''(۴) میں اورعلامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ نے ''تحفۃ الاحوذی''(۵)(میں بیان کیا ہے)۔

امام حاکمؒ فرماتے ہیں: ''یہ صحیح الاسناد ہے''،لیکن امام ذہبیؒ ''تلخیص المستدرک'' میں امام حاکمؒ کا رد فرماتے ہوئے لکھتے ہیں: "قلت أبوحمزة الثمالى ضعيف جدا وابن اسماعيل ليس بذلك" امام بیہقی فقط یہ فرماتے ہیں کہ "فی اسنادہ مقال" اور علامہ ہیثمیؒ کا قول ہے:''اس کی سند میں ابوحمزہ الثمالی ہے اور وہ ضعیف ہے''۔(۶)

(۱) سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ للالبانی ۱۲/۲۔ (۲) مستدرک علی الصحیحین ۲۲۲/۴۔
(۳) جامع ترمذی مع تحفۃ الاحوذی ۳۵۲/۲۔ (۴) نصب الرایہ للزیلعی ج۴ص ۲۱۹۔
(۵) تحفۃ الاحوذی للمبارکپوری ۳۵۲/۲۔ (۶) مجمع الزوائد للہیثمی ۱۷/۴۔

ابوحمزہ الثمالی جو ثابت بن ابی صفیہ ہے کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: ''ضعیف رافضی ہے''، امام احمدؒ فرماتے ہیں: ''ضعیف الحدیث اور کچھ بھی نہیں ہے''، یحییٰؒ کا بھی قول ہے کہ ''کچھ نہیں ہے''، نسائیؒ بیان کرتے ہیں: ''ثقہ نہیں ہے''، سعدیؒ فرماتے ہیں: ''واھی الحدیث'' ہے، علی بن الجنیدؒ نے اسے ''متروک'' اور دار قطنیؒ نے ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔ ابوحاتمؒ کا قول ہے کہ ''لین الحدیث'' ہے، اور امام ابن حبانؒ فرماتے ہیں: ''اخباروں میں کثیر الوہم ہے، لہٰذا اگر روایت میں منفرد ہو تو حد احتجاج سے خارج ہے، تشیع میں غلو بھی کرتا ہے۔ (۱)

پس یہ حدیث ''منکر'' قرار پائی جیسا کہ علامہ محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ نے سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ (۲) میں بیان فرمایا ہے۔

امام حاکمؒ نے اس حدیث کی ایک شاہد روایت اپنی ''مستدرک علی الصحیحین'' میں بطریق عمرو بن قیس عن عطیہ عن ابی سعید الخدری مرفوعا اس طرح تخریج فرمائی ہے:

"يا فاطمة قومي إلى أضحيتك فاشهديها فإن لك بأول قطرة تقطر من دمها أن يغفر لك ما سلف من ذنوبك فقالت فاطمة يا رسول الله هنا لنا أهل البيت خاصة أو لنا وللمسلمين عامة؟ قال لا بل لنا وللمسلمين عامة"۔ (۳)

اس حدیث کو امام بزارؒ نے اپنی ''مسند'' میں اور ابوالشیخ ابن حبانؒ نے اپنی کتاب ''الضحایا'' میں بھی روایت کیا ہے جیسا کہ ''ترغیب'' (۴) میں مذکور ہے، امام بزارؒ فرماتے ہیں: ''اس باب میں ابوسعید سے مروی اس سے بہتر کسی اور طریق کا ہمیں علم نہیں ہے، عمرو بن قیس کوفہ کے فضلاء میں سے تھے کہ جن کی حدیث لکھی جاتی ہے۔ (۵) امام حاکمؒ نے بھی اس روایت پر سکوت اختیار کیا ہے، مگر علامہ ذہبیؒ ''تلخیص المستدرک'' میں فرماتے ہیں: ''میں کہتا ہوں کہ اس میں عطیہ واہ ہے، علامہ ہیثمیؒ بھی ''مجمع الزوائد ومنبع الفوائد'' میں بزارؒ کی روایت کے متعلق تحریر فرماتے ہیں: ''اس میں عطیہ بن قیسؒ ہے جس پر بکثرت کلام کیا گیا ہے، لیکن بعض نے اس کی توثیق بھی کی ہے۔ (۶)

اس عطیہ بن سعد بن جنادہ العوفی ابوالحسن الکوفی کی ثوریؒ، ہشیمؒ، یحییٰؒ، احمدؒ، رازیؒ، اور نسائیؒ نے تضعیف فرمائی

---

(۱) الضعفاء والمتروکون للنسائی ترجمہ نمبر ۹۳، الضعفاء والمتروکون للدارقطنی ترجمہ نمبر ۱۳۹، الضعفاء والمتروکون لابن الجوزی ۱/۱۵۸، قانون الضعفاء للفتنی ص ۳۹، تقریب التہذیب لابن حجر ۱/۱۱۶، تہذیب التہذیب لابن حجر ۲/۷، الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم ۱/۴۵۰، المجروحین لابن حبان ۱/۲۰۶، کامل فی الضعفاء لابن عدی ۱/۵۲۰، میزان الاعتدال للذھبی ۱/۳۶۳، الضعفاء الکبیر للعقیلی ۱/۱۷۲، التاریخ الکبیر للبخاری ۱/۱۶۵، تاریخ یحییٰ بن معین ۳/۲۷۹، تحفۃ الاحوذی للمبارکپوری ۱/۵۲، ۳/۹۶، مجمع الزوائد للہیثمی ۱/۱۴۵، ۳/۱۵، ۴/۱۷، ۵/۳۷، فتح الباری لابن حجر ۱۳/۵۲۵۔

(۲) سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ للالبانی ۲/۱۵۔ (۳) مستدرک علی الصحیحین للحاکم ۴/۲۲۲۔

(۴) ترغیب ۲/۱۰۲۔ (۵) کمافی نصب الرایۃ للزیلعی ۴/۲۱۹۔

(۶) مجمع الزوائد للہیثمی ۴/۱۷۔

ہے۔امام ابن حجر عسقلانیؒ ''تقریب'' میں فرماتے ہیں: ''صدوق مگر بکثرت خطا کرنے والا اور مدلس شیعہ تھا''، ''فتح الباری'' میں فرماتے ہیں: ''اس میں ضعف ہے''، اور ''تعریف اہل التقدیس'' میں فرماتے ہیں: ''معروف تابعی، ضعیف الحفظ، اور قبیح تدلیس کے لیے مشہور ہے''، امام عجلی فرماتے ہیں: ''کوئی ثقہ تابعی ہے لیکن قوی نہیں ہے''، ابن حبانؒ فرماتے ہیں: ''ابوسعید الخدریؓ سے احادیث سنیں پھر جب ابوسعیدؓ کا انتقال ہوگیا تو کلبی کی مجالس میں بیٹھنا اختیار کیا، اور جب یہ کہنا چاہتا کہ کلبی نے کہا تو ابوسعید کی کنیت کے ساتھ کہتا جس سے لوگوں کو یہ گمان ہوتا کہ اس کی مراد الخدریؓ سے ہے، حالانکہ اس کی مراد کلبی سے ہوتی تھی، پس اس سے احتجاج جائز نہیں ہے اور نہ اس کی حدیث کا لکھنا الا یہ کہ علی جہت التعجب ہو۔امام ذہبیؒ فرماتے ہیں: ''مشہور تابعی لیکن ضعیف ہے''، ابوحاتمؒ کا قول ہے: ''اس کی حدیث لکھی جاتی ہے مگر وہ ضعیف ہے''، سالم المرادیؒ فرماتے ہیں کہ ''عطیہ تشیع کیا کرتا تھا''، ابن معینؒ کا قول ہے کہ ''صالح تھا''، ابن المدینیؒ نے یحییٰ سے نقل کیا ہے کہ ''عطیہ، ابوہارون اور بشر بن حرب میرے نزدیک ہم پلہ ہیں۔(۱)

ابن ابی حاتمؒ نے کتاب ''العلل'' میں اپنے والد رحمہ اللہ سے نقل فرمایا ہے کہ ''یہ حدیث منکر ہے''۔(۲) محدث شہیر عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ نے ''تحفۃ الاحوذی'' میں ابوحاتمؒ کا یہ قول نقل فرمایا ہے۔(۳)

امام حاکمؒ نے ''مستدرک علی الصحیحین''(۴) میں امام بیہقی نے ''سنن الکبریٰ'' میں ابوقاسم اصبہانیؒ نے ''الترغیب والترہیب'' میں اور ابوالفتح سلیم بن ایوب الفقیہ الشافعیؒ نے کتاب ''الترغیب'' میں اس حدیث کو بطریق مسلم بن ابراہیم ثنا سعید بن زید ثنا عمرو بن خالد مولی بنی ہاشم عن محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب عن ابیہ عن جدہ عن علی بن ابی طالب مرفوعاً بھی روایت کیا ہے، اس حدیث کے متعلق ''ترغیب'' میں مذکور ہے، ہمارے بعض مشائخ نے حضرت علیؓ کی اس حدیث کی تحسین فرمائی ہے، علامہ متقیؒ نے اس کو ''کنز العمال''(۵) میں وارد کیا ہے، علامہ زیلعی حنفیؒ نے ''نصب الرایہ'' میں(۶) اس حدیث پر سکوت اختیار فرمایا ہے، مگر ابوالفتحؒ فرماتے ہیں: ''اس میں سعید بن زید اخو حماد بن زید ہے''، اور شارح ترمذیؒ

(۱) الضعفاء والمتروکون للنسائی ترجمہ نمبر ۴۸۱، تاریخ یحییٰ بن معین ۲/۴۰۷، التاریخ الکبیر للبخاری ج نمبر ۷ ص ۸، التاریخ الکبیر للعقیلی ۳/۳۵۹، الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم ۶/۳۸۲، المجروحین لابن حبان ۲/۱۷۶، کامل فی الضعفاء لابن عدی ۵/۲۰۰۷، میزان الاعتدال للذھبی ۳/۷۹، معرفۃ الثقات للعجلی ۲/۱۴۰، علل لابن حنبل ۱/۱۹۸، تہذیب الکمال للمزی ۲/۹۴۰، تعریف اھل التقدیس لابن حجر ص ۱۳۰، تہذیب التہذیب لابن حجر ۷/۲۲۴، تقریب التہذیب لابن حجر ۲/۲۴، قانون الضعفاء للفتنی ص ۲۷۸، الضعفاء والمتروکین لابن الجوزی ۲/۱۸۰، فتح الباری لابن حجر ۹/۶۶، سنن دار قطنی ۴/۳۹، تلخیص المستدرک للذھبی ۴/۲۲۲، سنن الکبری للبیہقی ۲/۱۲۶، ۶/۳۰، ۷/۶۶، ۸/۱۲۶، مجمع الزوائد للہیثمی ۴/۵۹، ۹/۱۰۹، ۱۰/۳۳۱، ۵/۲۴۷، ۳/۱۸۰، تحفۃ الاحوذی للمبارکپوری ۱/۳۴۷، ۳/۲۱۰، ۴/۶۰، نصب الرایہ للزیلعی ۱/۳۸۹، ۴۰۶، ۲/۲۰۶، ۳/۲۲۷، ۴/۲۹۷، ۲۱۹، ۵۱، ۶۸۔

(۲) کتاب العلل لابن ابی حاتم ۲/۳۸-۳۹۔

(۳) تحفۃ الاحوذی للمبارکپوری ۲/۳۵۲۔

(۴) مستدرک علی الصحیحین للحاکم ۴/۲۲۲۔

(۵) کنز العمال للمتقی ۵/۲۲۱۔

(۶) نصب الرایہ للزیلعی ۴/۲۲۰۔

علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”اس کی سند میں عمرو بن خالد الواسطی ہے اور وہ متروک ہے جیسا کہ تلخیص میں مذکور ہے“۔(۱)

سعید بن زید بن درہم الازدی الجہنی اخو حماد بن زید کی یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ نے بہت زیادہ تضعیف کی ہے۔ سعدی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ”ائمہ حدیث اس کی احادیث کی تضعیف کرتے تھے وہ حجت نہیں ہے“، نسائی رحمہ اللہ کا قول ہے: ”قوی نہیں ہے“، امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”اس میں کوئی حرج نہیں ہے“، ابن معین رحمہ اللہ اور عجلی رحمہ اللہ نے اس کی توثیق کی ہے، ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”میرے نزدیک وہ ان رواۃ میں سے ہے جن کے ساتھ صدق منسوب ہے“، امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”ابن معین رحمہ اللہ نے اس کی توثیق کی ہے مگر قطان رحمہ اللہ اور دارقطنی رحمہ اللہ نے اس کی تضعیف کی ہے“، ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”حافظ صدوق تھا اور ان راویان حدیث میں سے تھا جو اخبار میں خطا اور آثار میں وہم کرتے ہیں حتی کہ اگر روایت میں منفرد ہوں تو ان سے احتجاج نہیں کیا جاتا“، اور امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”صدوق ہے مگر اس کے پاس اوہام ہیں“، اور ”فتح الباری“ میں فرماتے ہیں: ”صدوق ہے، بعض ائمہ نے اس کے حافظہ پر کلام کیا ہے۔ صحیح بخاری رحمہ اللہ میں سوائے ایک مقام کے اور وہ بھی معلقاً اس سے کوئی روایت نہیں ہے“۔(۲)

اور عمرو بن خالد الواسطی القرشی الکوفی موطا بنی ہاشم کی امام احمد رحمہ اللہ و یحییٰ بن معین رحمہ اللہ اور دارقطنی رحمہ اللہ نے تکذیب فرمائی ہے۔ وکیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”ہمارے پڑوس میں رہتا تھا، حدیث گھڑا کرتا تھا، جب اس کے خلاف فتنہ اٹھ کھڑا ہوا تو وہ واسط چلا گیا“، اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ اور ابوزرعہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ”حدیث گھڑا کرتا تھا“، نسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”متروک الحدیث“ ہے، امام ذہبی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: ”عباس رحمہ اللہ نے یحییٰ سے نقل کیا ہے کہ کذاب، غیر ثقہ تھا“، ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”یہ ان رواۃ میں سے تھا جو اثبات کی طرف سے موضوعات روایت کرتے ہیں“، اور ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ”طبقہ ہشتم کا متروک راوی ہے“، وکیع رحمہ اللہ نے اس پر کذب بیانی کا الزام عائد کیا ہے۔(۳)

---

(۱) تحفۃ الاحوذی للمبارکپوری ۲/۳۵۲۔

(۲) الضعفاء والمتروکون للنسائی ترجمہ نمبر ۲۷۵، تاریخ یحییٰ بن معین ۲/۱۹۹، تاریخ الکبیر للبخاری ۳/۲/۴۷۲، ضعفاء الکبیر للعقیلی ۲/۱۰۵، الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم ۴/۲۱، کامل فی الضعفاء لابن عدی ۳/۱۲۱۲، میزان الاعتدال ۲/۱۳۸، معرفۃ الرواۃ للذھبی ص ۱۱۳، تہذیب التہذیب لابن حجر ۴/۳۲، معرفۃ الثقات للعجلی ۱/۳۹۹، قانون الضعفاء للفتنی ص ۲۵۸، الضعفاء والمتروکین لابن الجوزی ۱/۳۱۹، تقریب التہذیب لابن حجر ۱/۲۹۶، المجروحین لابن حبان ۱/۳۲۰، فتح الباری لابن حجر ۱/۲۴۴، تحفۃ الاحوذی للمبارکپوری ۲/۲۴۹۔

(۳) الضعفاء والمتروکون للنسائی ترجمہ نمبر ۴۴۹، تاریخ یحییٰ بن معین ۳/۲۱۵، ۳۷۵، ۴۸۸، ۴/۳۵۲، ۳۷۸، علل لابن حنبل ۱/۵۶، تاریخ الکبیر للبخاری ۳/۳۲۸، تاریخ الصغیر للبخاری ۱/۳۱۰، ضعفاء الصغیر للبخاری ترجمہ نمبر ۸۳، ضعفاء الکبیر للعقیلی ۳/۲۶۸، الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم ۳/۲۳۰، المجروحین لابن حبان ۲/۷۶، کامل فی الضعفاء لابن عدی ۵/۱۷۷۴، الضعفاء والمتروکون للدارقطنی ترجمہ نمبر ۴۰۳، میزان الاعتدال للذھبی ۳/۲۵۷، مغنی فی الضعفاء للذھبی ۲/۴۸۳، تہذیب التہذیب لابن حجر ۸/۲۷، تقریب التہذیب لابن حجر ۲/۶۹، سیر اعلام النبلاء للذھبی ۱۰/۴۲۸، قانون الضعفاء للفتنی ص ۲۸۱، الضعفاء والمتروکین لابن الجوزی ۲/۲۲۵، علل لابن ابی حاتم ۱/۴۶، ۴۸، ۱۴۰، ۱۵۱، ۲/۱۰، ۱۷۱، تنقیح ۱/۱۶۶، ۱۶۷، سنن دارقطنی ۱/۱۵۶، ۲۲۷، ۳۶۴، مجمع الزوائد للہیثمی ۱/۱۴۰، ۲۴۶، تنزیہ الشریعۃ لابن عراق ۱/۹۳، نصب الرایۃ للزیلعی ۱/۴۱، ۱۸۶، ۱۸۷، ۲/۶۰، ۱۲۰، ۲۵۷ اور ۳/۳۳۱۔

نویں حدیث

اس باب کی نویں حدیث جو زبان زد ہر خاص وعام ہے، یوں بیان کی جاتی ہے:

"قال أصحاب رسول الله ﷺ يا رسول الله ما هذه الأضاحي قال سنة أبيكم إبراهيم عليه الصلاة والسلام قالوا فما لنا فيها يا رسول الله قال بكل شعرة حسنة قال فالصوف يا رسول الله قال بكل شعرة من الصوف حسنة"۔

اصحاب رسول اللہ ﷺ نے سوال کیا یا رسول اللہ یہ قربانیاں کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی سنت ہے، لوگوں نے پوچھا ان کا ہمارے لیے کیا ثواب ہے؟ فرمایا ہر بال کے بدلہ میں ایک نیکی ہے، انہوں نے پوچھا اور اون؟ فرمایا: اون کے ہر بال کے بدلہ بھی ایک نیکی ہے۔

اس حدیث کو امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی ''مسند'' میں، ابن ماجہؒ نے اپنی ''سنن'' (۱) میں، ابن عدیؒ نے ''کامل فی الضعفاء'' (۲) میں، حاکمؒ نے ''مستدرک علی الصحیحین'' (۳) میں اور امام بیہقی نے ''سنن الکبری'' (۴) میں بطریق سلام بن مسکین عن عائذ اللہ عن ابی داود عن زید بن ارقم قال قال اصحاب الرسول ﷺ بہ تخریج فرمایا ہے۔ امام ترمذیؒ نے اپنی ''جامع'' میں اس حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ وارد کیا ہے۔ "ويروى عن رسول الله ﷺ انه قال فى الأضحية لصاحبها بكل شعرة حسنه ويروى بقرونها"۔ (۵)

اگرچہ اس روایت کو علامہ ابن تیمیہؒ نے ''منتقی الاخبار'' (۶) میں، علامہ متقیؒ نے ''کنز العمال'' (۷) میں وارد کیا ہے، اور کوئی کلام نہیں کیا، لیکن امام ترمذیؒ نے البتہ اس کو معلقا بدون اسناد ذکر فرما کر گویا اس کی تضعیف فرمائی ہے، حالانکہ امام حاکمؒ کا قول ہے کہ ''یہ صحیح الاسناد ہے''، امام ذہبیؒ امام حاکمؒ پر تعقب کرتے ہوئے ''تلخیص المستدرک'' میں تحریر فرماتے ہیں: ''میں کہتا ہوں کہ عائذ اللہ کو ابو حاتمؒ نے منکر الحدیث بتایا ہے''، علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ فرماتے ہیں: ''اس کی سند میں ایک راوی عائذ اللہ المجاشعی ہے جس کے متعلق امام بخاریؒ کا قول ہے: "لا يصح حديثه"، مگر ابن حبانؒ نے اس کی توثیق کی ہے جیسا کہ خلاصہ میں مذکور ہے۔ (۸) بوصیریؒ ''الزوائد'' میں فرماتے ہیں: ''اس کی اسناد میں ابوداود ہے، جس کا نام نفیع بن الحارث ہے اور وہ متروک اور حدیث وضع کرنے کے لیے متہم ہے''، اور حافظ منذریؒ ''ترغیب'' میں فرماتے ہیں: ''بلکہ یہ روایت واہی ہے۔ عائذ اللہ جو المجاشعی ہے اور ابوداود جو نفیع بن الحارث الاعمی ہے، دونوں ساقط ہیں۔ (۹) امام ابن

---

(۱) سنن ابن ماجہ حدیث نمبر ۳۱۲۷۔
(۲) کامل فی الضعفاء لابن عدی ج ۲/۱ ص ۳۱۶-۳۱۷۔
(۳) مستدرک علی الصحیحین للحاکم ۳۸۹/۲۔
(۴) سنن الکبری للبیہقی ۲۶۱/۹۔
(۵) جامع ترمذی مع تحفۃ الاحوذی ۳۵۲/۲۔
(۶) منتقی الاخبار لابن تیمیہ مترجم ج نمبر ا ص ۱۰۴۰-۱۰۴۱۔
(۷) کنز العمال للمتقی ۲۳۹/۵۔
(۸) تحفۃ الاحوذی للمبارکپوری ۳۵۲/۲-۳۵۳۔
(۹) الترغیب والترھیب للمنذری ۱۰۱/۲-۱۰۲۔

عدیؒ نے اس حدیث کو عائذ اللہ المجاشعی کے ترجمہ میں وارد کیا ہے اور فرماتے ہیں: "لا يصح حديثه"۔ امام بخاریؒ سے بھی ایسا ہی منقول ہے۔ امام عقیلیؒ نے اس حدیث کو اپنی ''ضعفاء الکبیر'' (۱) میں عائذ اللہ المجاشعی کے ترجمہ کے تحت وارد کیا ہے، جبکہ امام ابن حبانؒ نے ''کتاب المجروحین'' میں (۲) نفیع بن الحارث کے ترجمہ میں، امام ذہبی نے ''میزان الاعتدال فی نقد الرجال'' میں ۔(۳) عائذ اللہ اور نفیع بن الحارث دونوں راویوں کے ترجموں میں وارد کیا ہے۔ محدث عصر علامہ شیخ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے ''سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ'' (۴) میں اس کو ''موضوع'' قرار دیا ہے۔

☆☆☆

(بقیہ درس قرآن)

ابن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے حکم پر ابن شہاب زہری (المتوفی ۱۲۴ھ) نے کیا جیسا کہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں نقل کیا ہے: "وأول من دوّن الحديث ابن شهاب الزهري على رأس المائة بأمر عمر بن عبد العزيز ثم كثر التدوين ثم التصنيف وحصل بذلك خير كثير فلله الحمد"۔ (فتح الباری:۲۰۸/۱)

تدوین حدیث کے بعد تصنیف کا مرحلہ شروع ہوتا ہے جیسا کہ ابن حجر عسقلانی نے نقل کیا ہے، چنانچہ جن محدثین کرام نے حدیث کی کتابیں تصنیف کیں، ان کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

مکہ میں:	عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج	(وفات:۱۵۰ھ)
مدینہ میں:	امام مالک بن انس	(وفات:۱۷۹ھ)
	محمد بن اسحاق بن یسار	(وفات:۱۵۱ھ)
بصرہ میں:	ربیع بن صبیح	(وفات:۱۶۰ھ)
	سعید بن ابی عروبہ	(وفات:۱۵۶یا۱۵۷ھ)
	حماد بن سلمہ	(وفات:۱۶۷ھ)
کوفہ میں:	سفیان بن سعید الثوری	(وفات:۱۶۱ھ)
شام میں:	عبدالرحمٰن عمر الأوزاعی	(وفات:۱۵۷ھ)
واسط میں:	ہشیم بن بشیر الواسطی	(وفات:۱۸۳ھ)
یمن میں:	معمر بن راشد	(وفات:۱۵۳ھ)
الری میں:	جریر بن عبدالحمید	(وفات:۱۸۸ھ)
مرو خراسان میں:	عبداللہ بن مبارک المروزی	(وفات:۱۸۱ھ)

ان کتابوں میں احادیث رسول کے ساتھ صحابہ کرام اور تابعین کے اقوال بھی شامل تھے۔ (جاری)

(۱) ضعفاء الکبیر للعقیلی ۴۱۹/۳۔ (۲) المجروحین لابن حبان ۵۵/۳۔
(۳) میزان الاعتدال للذھبی ۳۶۴/۲ و ۲۷۲/۴۔ (۴) سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ للالبانی ۱۵۷/۳۔

دارالحدیث رحمانیہ کی عمارت کا مشاہدہ

مولانا اسعد اعظمی/ استاذ جامعہ سلفیہ

دارالحدیث رحمانیہ دہلی کے احوال وکوائف اوراس کی قدرے مفصل تاریخ ماہنامہ محدث کے صفحات پرتقریباً ڈھائی سال تک ۲۴ رقسطوں میں شائع ہونے کے بعد یہ سلسلہ اپنے اختتام کو پہنچ چکا تھا، اس ضمن میں یہ بات گزری تھی کہ مدرسہ کے بند ہوجانے اوراس کی عمارت سرکاری تحویل میں چلے جانے کے بعد اس میں ایک سرکاری اسکول بنام شفیق میموریل اسکول قائم ہوا جوآج بھی جاری وساری ہے، راقم کو کتابوں اور مجلّات ورسائل وغیرہ سے مدرسہ سے متعلق معلومات اکٹھا کرتے ہوئے بار باراس تاریخ ساز مدرسہ کی عمارت جوخوش قسمتی سے ابھی تک موجود ہےاوراپنی قدیم روشن تاریخ کی خاموش حکایت بیان کررہی ہے، اس عمارت اوراس کے درودیوار کے مشاہدے سے قلب ونظر کوتسلی پہنچانے کی شدید خواہش جنم لیتی رہی، اس دوران دہلی میں مقیم علم دوست احباب ومتعارفین نے بھی اس سلسلے میں تعاون کا وعدہ کیا اور رہنمائی کی پیشکش کی۔ اللہ تعالی ان تمام حضرات کوجزائے خیر دے۔

گذشتہ دنوں دہلی کے ایک سفر میں محترم مولوی عبدالحق سلفی غازی پوری صاحب جومسجد اہل حدیث پل بنگش دہلی میں قیام پذیر تھے، ان سے ملاقات اوران کی عیادت کی غرض سے ان کے یہاں جانا ہوا، موصوف بھی ان کرم فرماؤں میں شامل تھے جنھوں نے دارالحدیث رحمانیہ کی عمارت کی زیارت کرانے کی پیشکش کی تھی، بلکہ یہ بھی ذکر کیا تھا کہ مدرسہ ان کی جائے قیام سے بہت قریب ہے، ویسے تو موصوف سے دہلی میں قیام کے دوران اہل حدیث منزل میں ملاقات ہوجایا کرتی تھی، مگر اس مرتبہ ان کی علالت کی خبرسن کران کے یہاں جانے کا پروگرام بنا تو اس وقت اس تصور سے میرے جسم میں مسرت کی لہر دوڑ گئی کہ شاید دارالحدیث رحمانیہ کی زیارت اور مشاہدے کا دیرینہ خواب شرمندۂ تعبیر ہونے والا ہے، وہ جمعرات کا دن تھا، میں رفیق سفر محترم مولانا محمد یونس صاحب مدنی حفظہ اللہ استاذ جامعہ سلفیہ بنارس کی معیت اور رہنمائی میں بوقت نماز مغرب مسجد اہل حدیث پل بنگش پہنچا، نماز سے فراغت کے بعد میزبان موصوف کی خیروعافیت دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ آپ کی صحت میں کافی بہتری آچکی ہے، یہ اطمینان کرلینے کے بعد میں نے ان سے اپنی دیرینہ خواہش کا اعادہ کیا وہ اس کے لیے ہمہ تن مستعد نظر آئے، اوراپنی نقاہت کے باوجود خوشی اور دلچسپی کے ساتھ صبح میں چلنے کا پروگرام بنایا، اور علاقے کی دوسری مساجد ومدارس کے بارے میں بھی اپنی معلومات پیش کیں، مسجد پل بنگش کے بارے میں آپ نے بتایا کہ اسی مسجد میں مدرسہ سعیدیہ جاری تھا جومولانا ابوسعید شرف الدین رحمہ اللہ کی طرف نسبت رکھتا تھا، مولانا اس مسجد میں درس وتدریس کا شغل فرماتے تھے، آپ کو علامہ سید نذیر حسین محدث دہلوی، مولانا شمس الحق ڈیانوی اور شیخ حسین عرب یمنی سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ (ملاحظہ ہو: تراجم علمائے حدیث ہند از نوشہروی، ص: ۱۸۱-۱۸۴)

بہر حال جمعہ کی صبح تقریباً ۹ر بجے مولوی عبدالحق صاحب، موصوف اور مولوی عبدالخالق سلفی کی مصاحبت میں ہم کوچہ یار کے دیدار کے لیے نکلے، مولوی عبدالخالق صاحب جامعہ سلفیہ کے فارغ ہیں اور پل بنگش مسجد میں امامت وخطابت کے فرائض انجام دیتے ہیں، مدرسہ ریاض العلوم میں درس وتدریس کا کام بھی انجام دیتے ہیں، مسجد سے متصل مین روڈ پار کر کے مشرق کی طرف گلیوں کے راستے پہلے ہم لوگ مدرسہ زبیدیہ پہنچے، یہ مدرسہ ایک قدیم مگر وسیع اور صاف ستھری مسجد، اور اس سے ملحقہ کمروں پر مشتمل تھا، وہاں پر کچھ چھوٹے چھوٹے بچے بھی نہاتے دھوتے نظر آئے، معلوم ہوا کہ یہاں اب حفظ قرآن کی تعلیم ہوتی ہے، مدرسہ زبیدیہ کا نام شیخ الحدیث علامہ احمد اللہ قرشی پرتاپ گڈھی رحمہ اللہ کے تذکرے کے ساتھ بار بار پڑھتا اور سنتا چلا آیا تھا، علامہ موصوف میاں صاحب کے شاگرد تھے، اور شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی اور مولانا نذیر احمد املوی رحمانی وغیرہم کے استاد تھے، ایک عرصہ تک دارالحدیث رحمانیہ کی مسند شیخ الحدیث کو رونق بخشا، اس سے پہلے آپ مدرسہ علی جان میں درس دیتے تھے، اور ۱۹۳۸ء میں رحمانیہ سے مستعفی ہو کر زبیدیہ سے منسلک ہو گئے۔

یہاں سے نکلنے کے بعد ہم لوگ محلّہ کشن گنج کی اہل حدیث مسجد میں پہنچے، یہ حاتم جماعت حافظ حمید اللہ دہلوی کا محلّہ ہے، موصوف اسی محلّہ میں مقیم تھے، اب ان کے صاحبزادے حافظ محمد یحیٰی صاحب اور ان کی اولاد واحفاد اس محلّہ میں جماعت اور اہل جماعت کی نمائندگی کر رہے ہیں، یہ مسجد بھی کشادہ اور صاف ستھری نظر آئی، اس مسجد میں غالباً شام کے وقت ناظرہ قرآن وغیرہ پڑھانے کا نظم ہے۔

اس کے بعد ہم لوگ باڑہ ہندوراؤ کی طرف بڑھ رہے تھے جو کسی قدر فاصلے پر تھا جسے ہمارے میزبان نے کوچہ شناسی کا ثبوت دیتے ہوئے پتلی پتلی گلیوں کے ذریعہ بہت جلد طے کر لیا۔ واضح رہے کہ باڑہ ہندوراؤ ہی وہ محلّہ ہے جہاں دارالحدیث رحمانیہ قائم تھا، محلّہ کے اس ہندوانہ نام کے باوجود مجھے اس نام سے بڑی انسیت تھی، دارالحدیث رحمانیہ سے ادنی نسبت رکھنے والی ہر چیز چاہے اس کا تعلق نباتات وجمادات ہی سے کیوں نہ ہو میرے لیے کشش رکھتی ہے اور اس کے بارے میں سننا پڑھنا اور جاننا مجھے قلبی سکون پہنچاتا ہے، طویل عرصے تک مدرسہ اور اس کی تاریخ سے مربوط رہنے کی وجہ سے اس کی طرف منسوب ہر شئی میرے لیے کشش رکھتی ہے، یہی وجہ ہے کہ جب محلّہ کے سائن بورڈوں پر باڑہ ہندوراؤ لکھا ہوا نظر آنے لگا تو میرے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی اور وصال محبوب کے تصور سے میری شادمانی میں اضافہ ہونے لگا، کوچۂ محبوب تک پہنچنے سے قبل ہمیں ایک اور اہل حدیث مسجد کا دیدار کرایا گیا جو چھوٹی مسجد کے نام سے متعارف تھی اور اسی باڑہ ہندوراؤ میں قائم تھی، کچھ اور آگے بڑھنے پر لال رنگ کی ایک بے حد قدیم اور بوسیدہ عمارت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عبدالحق صاحب نے بتایا کہ یہیں اخبار اہل حدیث کا آفس تھا، میری اپنی دانست کے مطابق اس جگہ مولانا محمد صاحب جونا گڈھی کے ''اخبار محمدی'' کا آفس تھا، اس سے چند قدم کے فاصلہ پر مدرسہ کی عمارت تھی، چنانچہ مولانا عبدالغفار حسن رحمانی دارالحدیث رحمانیہ کے زائرین اور معائنہ کاروں کے تذکرے میں مولانا محمد صاحب جونا گڈھی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مولانا موصوف کی رہائش پہلے اجمیری دروازے میں تھی، لیکن میرے فارغ ہونے کے چند سال قبل انہوں نے اپنا ایک عالیشان سہ منزلہ مکان دارالحدیث رحمانیہ کے قریب بنوایا تھا، ان کے اس قرب کی وجہ سے شیخ عبدالرحمٰن صاحب (۱) (بانی مدرسہ) اور مولانا موصوف کے درمیان روابط میں اوراضافہ ہوگیا تھا، عام طور پر فجر کی نماز رحمانیہ کی مسجد میں ادا کرتے تھے''۔(۲)

بہرحال اس عمارت کو چھوڑ کر آگے بڑھتے ہی راستے کے داہنی طرف آٹھ دس فٹ اونچی ایک طویل چہار دیواری نظر آئی جس کے بیچ و بیچ ایک بڑا سا گیٹ لگا ہوا تھا، گائڈ کی نشاندہی سے قبل دل اشارہ کررہا تھا کہ ہم منزل مقصود کو پہنچ چکے ہیں، اتر دکھن راستے کے مغرب جانب یہ چہار دیواری تھی، گیٹ اندر سے بند تھا اور بچوں کے کھیل کود کی آواز سنائی دے رہی تھی، تھوڑی دیر بعد گیٹ کھلا، ہم لوگ اندر داخل ہوئے، مدرسہ (جواب اسکول تھا) کی عمارت اور باہری چہار دیواری کے بیچ میں ایک کھلی جگہ تھی جس میں اسکول کے بچے کھیل رہے تھے، چہار دیواری اور مدرسہ کی پوری عمارت پر ہلکے سبز رنگ کی چونا کاری کی گئی تھی، جو زیادہ پرانی نہ تھی، عمارت کے مدخل پر ایک بڑا سا ٹین کا بورڈ لگا ہوا تھا جس پر اوپر انگریزی، پھر اردو، پھر ہندی، پھر پنجابی زبان میں ''شفیق میموریل سینیر سکنڈری اسکول'' درج تھا۔

واضح رہے کہ اسکول کے اس نام کی مناسبت یہ ہے کہ ملک کی آزادی اور تقسیم کے وقت مدرسہ کی عمارت سرکاری تحویل میں چلے جانے کے بعد جب یہاں اسکول قائم ہوا، اس وقت دہلی اسٹیٹ کے وزیر تعلیم ''شفیق الرحمٰن قدوائی'' تھے، انہیں کی طرف منسوب کرکے اسے شفیق میموریل کا نام دیا گیا۔ جو راہ داری اسکول کے اندر تک پہنچاتی تھی اس کے دونوں جانب کشادہ کمرے تھے جو آفس کے لیے استعمال ہورہے تھے، اندرونی حصے کے شروع ہی میں برآمدے میں کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے، ان میں سے ایک صاحب کی طرف اشارہ کرکے ہمیں بتایا گیا کہ یہی اسکول کے ذمہ دار ہیں، ہم نے سلام ودعا کے بعد آمد کا مقصد بتایا اور عمارت کا مشاہدہ کرنے اور اس کا کچھ عکس اتارنے کی اجازت لی، اس وقت صبح کے تقریبا دس بج رہے تھے اور اسکول میں درس وتدریس کا عمل جاری تھا، پھر بھی بہت سارے بچے ادھر ادھر گھومتے اور شور وہنگامہ کرتے نظر آئے، اکثر درس گاہوں میں اساتذہ یا معلمات بھی موجود تھے، مگر اندر کا حال بھی کسی کلاس میں پرسکون نظر نہیں آیا، اسکول ۱۲/ویں کلاس تک تھا، تعلیم مخلوط تھی، لڑکے لڑکیاں ایک ہی درسگاہ میں پڑھتے تھے، اساتذہ میں معلمین کم اور معلمات زیادہ تھیں، یہ دیکھ کر بے حد تکلیف ہوئی کہ اسکول میں ڈسپلن نام کی کوئی چیز نہ تھی، ہرطرف شور وہنگامہ، افراتفری اور جب جب کسی کے آنے جانے پر گیٹ کھولا جاتا متعدد لڑکے اپنا بستہ لے کر نکل بھاگتے، معلمین ومعلمات بھی ان کے سامنے بے بس نظر آرہے تھے، بعد میں

(۱) یہاں شیخ عبدالرحمٰن کے بجائے شیخ عطاء الرحمٰن کا نام ذکر کرنا درست ہوگا، کیونکہ شیخ عبدالرحمٰن تاسیس مدرسہ کے پہلے ہی سال (۱۹۲۱ء یا ۱۹۲۲ء میں) انتقال کرگئے تھے، ان کے بعد ان کے بھائی شیخ عطاء الرحمٰن نے مدرسہ کو تاحین حیات (۱۹۳۸ء تک) اپنے خون جگر سے سینچا تھا۔

(۲) مولانا عبدالغفار حسن رحمہ اللہ ص:۹۹۔

اسکول کے پرنسپل صاحب نے معذرت خواہانہ انداز میں بتایا کہ اسکول کے قرب وجوار ہی کے یہ سب مسلم بچے ہیں جو غلط ماحول کے پروردہ ہیں، جھوٹ بولنا، گالی گلوج اور بدتمیزی ان کا اوڑھنا بچھونا ہے، ان کی اصلاح وتہذیب کے تعلق سے ہم لوگ بے بس اور ایک طرح سے مایوس ہیں، میں نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ ہمارے اسلامی مدارس چاہے جتنی بھی گئی گزری پوزیشن میں ہوں مگر ایسا منظر شاید کسی مدرسہ میں دیکھنے کو نہ ملے۔

بہرحال ہم لوگوں نے اسکول کے چاروں طرف گھوم پھر کر عمارت اور متعلقات کا جائزہ لیا، چاروں سمت میں سے پورب پچھّم اور اتر میں مدرسہ کی قدیم ایک منزلہ عمارت جو کمروں، برآمدوں اور راہ داریوں پر مشتمل تھی تقریباً اپنی اصلی حالت میں باقی تھی، دکھن جانب دومنزلہ جدید عمارت نظر آئی، مدرسہ کی عمارت کے تعلق سے یہ بات گزر چکی ہے کہ اس میں ایک وسیع ہال جسے دار التذکیر کے نام سے جانا جاتا تھا مدرسہ کے جنوب میں تعمیر تھا، یہ ہال ہمیں نظر نہیں آیا، پرنسپل صاحب سے استفسار کرنے پر انہوں نے بتایا کہ جس جگہ یہ دومنزلہ جدید تعمیر ہے، اس جگہ پہلے ایک ہال تھا جسے توڑ کر اسکول کی ضرورت کے تحت یہ عمارت بنائی گئی ہے۔

بیچ میں جو صحن تھا وہ کافی کشادہ تھا اور اس میں جگہ جگہ درخت اور پھول پھلواریاں لگی تھیں، مغربی سمت کے کمروں کے بیچ سے ایک راستہ باہر کی طرف جاتا ہوا نظر آیا، ہم لوگ اس طرف نکلے تو دیکھا کہ عمارت کے عقب میں زمین سے قدرے اونچائی پر ایک وسیع سبزہ زار ہے، وہاں بھی بچے کھیل کود میں مصروف نظر آئے۔

اسکول کے پرنسپل صاحب سے یہ پوچھنے پر کہ اسکول میں یا اس کے آس پاس کوئی مسجد بھی تھی یا ہے تو انہوں نے اثبات میں جواب دیتے ہوئے بتایا کہ اسکول کے مغرب جانب یہ مسجد ہے، یہ مسجد اب اسکول سے الگ ہے، مگر وہاں تک جانے کے لیے انہوں نے عمارت کے مغربی سمت میں لگے ہوئے ایک بند دروازہ کو کھلوادیا، ادھر سے نکلنے کے بعد ایک کشادہ گلی میں آٹھ دس قدم کے فاصلے پر مسجد نظر آئی جو تین چار منزلہ جدید تعمیر پر مشتمل تھی، مسجد کے مشرقی حصے میں کچھ بے حد قدیم اور بوسیدہ کمرے یا دکانیں نظر آئیں، مسجد کے مؤذن جو ابھی قدرے نوعمر تھے ان سے جب ہم لوگوں نے مسجد کے بارے میں کچھ جاننا چاہا تو انہوں نے بتایا کہ بہت پرانی مسجد تھی جسے عطاء الرحمٰن کی مسجد کے نام سے جانا جاتا ہے، آٹھ دس سال پہلے اس کی تعمیر نو ہوئی، مگر مشرقی حصے کی دکانوں پر کچھ کرایہ دار قابض ہیں جس کی وجہ سے یہ حصہ ابھی اپنی قدیم حالت میں باقی ہے۔

مدرسہ کی لائبریری کے بارے میں اس وقت ہم استفسار کرنا بھول گئے، سفر سے واپسی کے بعد والد محترم سے ہم نے اس سلسلے میں پوچھا تو آپ نے بتایا کہ لائبریری مغربی سمت میں مدرسہ کی چھت پر بنائی گئی تھی، لیکن ہمیں عمارت کی چھت پر کوئی کمرہ یا تعمیر نظر نہیں آئی، لگتا ہے کہ کہنگی اور بوسیدگی کی وجہ سے اسے بعد میں ہٹادیا گیا۔

ہم لوگ اپنی مہم مکمل کر چکے تو پرنسپل صاحب نے اپنے آفس میں بیٹھا کر ہم لوگوں کی تواضع کی، انہوں نے بڑے والہانہ انداز میں بتایا کہ میں اس عمارت کی تاریخ جاننا چاہتا ہوں، مگر آج تک کہیں سے مجھے کچھ معلوم نہ ہوسکا، میں نے انہیں خوشخبری سنائی کہ مدرسہ کی تاریخ مرتب کی جاچکی ہے، اور ایک مجلّہ میں شائع بھی ہوچکی ہے، ان شاءاللہ بہت جلد کتابی شکل میں

آپ کے ہاتھوں میں ہوگی، انہوں نے بالمشافہہ بھی کچھ جاننا چاہا تو میں نے انہیں سن تاسیس، مؤسسین، مدرسہ کے ناظم تعلیمات، بعض اساتذہ وغیرہ کے بارے میں بتایا، مدرسہ کے خاتمہ کی بھی مختصرا روداد سنائی اور مولانا نذیر احمد صاحب املوی رحمہ اللہ کے ساتھ اس وقت جو حالات پیش آئے تھے ان کا بھی تذکرہ کیا، موصوف نے ان باتوں کو ایک کاغذ میں نوٹ کرلیا، اور بار بار اصرار کرتے رہے کہ مدرسہ کی تاریخ منظر عام پر آتے ہی ہمیں اس کی ایک کاپی ضرور بھیجیں۔

موصوف نے یہ بھی بتایا کہ اس زمین کا کوئی کاغذ اسکول کے پاس نہیں ہے، جس کی وجہ سے ہمیں کافی دقتیں پیش آرہی ہیں، ان کا کہنا تھا کہ یہ قدیم عمارت بہت مخدوش ہوچکی ہے اور کسی طرح اصلاح ومرمت کرکے کام چلایا جارہا ہے، بہت جلد اسے منہدم کرکے نئی عمارت بنانے کے لیے پلاننگ کی جارہی ہے۔

مدرسہ کے مشاہدہ کی اس طویل ولذیذ حکایت کے اختتام سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مولانا محمد صاحب جوناگڈھی کے قلم سے مدرسہ کی عمارت کا جونقشہ آج سے پون صدی قبل یعنی ۱۹۳۸ء میں کھینچا گیا تھا اسے ایک بار پھر ہدیۂ قارئین کردیا جائے تاکہ اندازہ لگایا جاسکے کہ اس طویل عرصے کے بعد بھی مدرسہ کی عمارت اور اس کے اطراف وجوانب بڑی حدتک اپنی اصل حالت پر باقی ہیں۔

یہ سب باقی ہے تو باقی نہیں ہے

مولانا محمد صاحب جوناگڈھی (م ۱۹۴۱ء) مدرسہ کی عمارت کا تعارف کراتے ہوئے اپنے پندرہ روزہ رسالہ ''اخبار محمدی'' میں لکھتے ہیں:

''مدرسہ کا رقبہ آٹھ نو سو گز ہے، ایک وسیع اور شاندار بلڈنگ ہے، جس میں طلبہ کی رہائش کے لیے (۳۵) کشادہ اور ہوا دار کمرے ہیں، درس وتدریس کے لیے ان سے وسیع تر آٹھ کمرے اور ہیں جن میں برقی روشنی اور بجلی کے پنکھوں کا انتظام ہے، مدرسہ کے جنوبی حصہ میں بڑا ہال (دارالتذکیر) ہے، جس میں سالانہ امتحان اور دیگر خاص جلسے منعقد کیے جاتے ہیں، ایک باورچی خانہ بھی علیحدہ ہے، عمارت کے بالائی حصہ میں ایک شاندار کتب خانہ کی عمارت ہے جس میں عربی اردو کی ہزاروں کتابیں موجود ہیں، مدرسہ کے مغربی جانب ایک کشادہ شاندار مسجد ہے، مدرسہ اور مسجد کے درمیان طلبہ کی ورزش کے لیے ایک سبزہ زار بنا ہوا ہے، جس کے چاروں طرف پختہ دیوار ہے، مدرسہ کا صحن مختلف قسم کے مفید پھول وپھل کے درختوں اور پودوں سے آراستہ وپیراستہ رہتا ہے جو ایک دلفریب باغیچہ سے کم نہیں ہے، مدرسہ کا فوٹو بھی ''محدث'' کے سالنامہ میں چھپ چکا ہے، اس کی تعمیر پر ایک لاکھ روپیہ خرچ ہوا ہوگا، ایک ہزار روپیہ کے لگ بھگ ماہانہ خرچ ہے''۔(۱)

☆☆☆

(۱) اخبار محمدی، ۱۵؍جولائی ۱۹۳۸ء ص ۱۰۔

وصیت

د.عمر خلیفہ الشایجی/استاذ کلیۃ الشریعۃ بجامعۃ الکویت
ترجمہ:محمد انور محمد قاسم سلفی

وصیت (۱) کی تعریف: وصیت کی مختصر تعریف یہ ہے کہ مرد یا عورت اپنے اہل وعیال کو اپنی موت کے بعد قرض یا صدقہ کی ادائیگی کی وصیت کرے، یا اپنے گھر والوں سے یہ مطالبہ کرے کہ فلاں شخص (یا عورت) اس کو غسل دے اور اس کی نماز جنازہ پڑھائے،اس وصیت کا نفاذ میت کے گھر والوں پر لازمی ہے،الا یہ کہ اس کی وصیت شریعت کی مخالف ہو۔

وصیت کی مشروعیت کے متعلق بہت سی آیات اور احادیث ہیں اور اس پر اجماع بھی ہے، جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

﴿كتب عليكم إذا حضر أحدكم الموت إن ترك خير الوصية للوالدين والأقربين بالمعروف حقا على المتقين﴾ (۲) ترجمہ: جب تم میں سے کسی کی موت قریب ہو اور وہ مال اور جائیداد چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہو رہا ہو،تو تمہارے اوپر والدین اور قریبی رشتہ داروں کے لیے مناسب وصیت فرض کردی گئی ہے، یہ متقی لوگوں پر لازم ہے۔

اور احادیث میں وہ روایت ہے جسے بخاری، مسلم، ابوداود، اور ترمذی نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: "ما حق امريء مسلم له شيء يوصي فيه، يبيت فيه ليلتين إلا ووصيته مكتوبة عنده" ترجمہ: ہر اس مسلمان پر حق ہے جس کے پاس کوئی قابل وصیت چیز ہے، دو راتیں گذرنے سے پہلے اس کی وصیت اس کے پاس لکھی ہوئی ہونی چاہئے، نافع کہتے ہیں: میں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو فرماتے ہوئے سنا:

"ما مرت علي ليلة منذ سمعت رسول الله يقول ذلك إلا عندي وصيتي مكتوبة" کہ جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان سنا، اس دن سے ایک رات بھی مجھ پر ایسی نہیں گذری کہ میری وصیت میرے پاس نہ ہو۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان کا احتیاط اسی میں ہے کہ اس کی وصیت اس کے پاس لکھی ہوئی ہو، اور وصیت میں جلدی کرنا، اسے اپنی حالت صحت میں لکھنا، اس پر گواہ بنانا، اور ہمہ قسم کی ضرورتوں کو لکھنا مستحب ہے، اگر اس کے بعد کوئی نیا معاملہ درپیش آئے جو وصیت کا محتاج ہو تو اسی وصیت میں درج کردے۔

تمام اہل علم، جن کی رائے کا لحاظ کیا جاتا ہے، ان میں سے سب کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور سے اب تک،

(۱) وصیت کی لغوی تعریف: وصیت یہ لفظ ایصاء (یعنی وصیت کرنے) سے ہے، یہ کسی شخص سے کوئی کام سرانجام دینے کا عہد لینے کو کہتے ہیں، خواہ وصیت کرنے والے کی زندگی میں ہو یا اس کی موت کے بعد، اسی سے کہا جاتا ہے: "أوصيت إليه" یعنی میں نے اسے وصی مقرر کردیا جو میرے بعد، میرے پیچھے رہنے والے لوگوں پر میری وصیت نافذ کرے گا، اور اسی معنی میں لفظ "الوصاية" مشہور ہے۔

(۲) البقرۃ:۱۸۰۔

وصیت کی مشروعیت پر اجماع ہے، اور ان میں کسی سے بھی اس کے خلاف منقول نہیں ہے۔

وصیت کرنے والے کے لیے کیا ضروری ہے؟

وصیت کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی وصیت میں ظلم سے بچے اور اللہ سے ڈرے، اور یہ احساس وشعور رکھے کہ وہ اس دنیا کو چھوڑ کر اس ذات کی طرف جا رہا ہے جو بادشاہوں کا بادشاہ، اور ایسا انصاف پرور ہے کہ اس نے ظلم کو اپنے اوپر بھی حرام کرلیا اور اپنے بندوں کے درمیان بھی حرام کر دیا ہے، اس لیے اے وصیت کرنے والو (اللہ تمہاری حفاظت کرے) اس بات سے ڈرو کہ تم اس دنیا کو ظلم کرتے ہوئے خیر باد کہو، تمہارے لیے ضروری ہے کہ تم اپنی وصیت میں عدل وانصاف سے کام لو، اپنے وارثین پر ظلم نہ کرو، اس لیے کہ تم اپنے اس عمل سے اپنے اہل وعیال اور بھائیوں کے درمیان تفرقے کا بیج بوؤ گے جس کی وجہ سے خواہ مخواہ تم گناہ گار رہو گے۔

وصیت میں ظلم کے چند نمونے

☆ ورثاء میں سے کسی کو کوئی مال یا جائیداد خاص کرنا، یا اس کو اس کے لیے یا اس کی نسل کے لیے وقف کر دینا۔

☆ ایک ثلث مال سے زیادہ کی وصیت کرنا۔

☆ وارثوں میں سے کسی کو وراثت سے محروم کر دینے کی وصیت کرنا۔

وصیت لکھنے کے فوائد

۱- انسان کا اپنے رب سے ملاقات کے وقت تمام ذمہ داریوں سے سبک دوش ہونا، اس لیے کہ میت کا معاملہ اللہ تعالی کے پاس لٹکا ہوا رہتا ہے، جب تک کہ اس کا قرض ادا نہ کیا جائے اور اس کو بری الذمہ نہ کیا جائے، عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "يغفر للشهيد كل ذنب إلا الدين" شہید کا ہر گناہ بخش دیا جاتا ہے سوائے قرض کے۔(۱)

سعد بن اطول رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے بھائی کی وفات ہوگئی، اور انہوں نے تین سو درہم چھوڑے، اور انہوں نے عیال بھی چھوڑے، میں نے وہ رقم ان کے بچوں پر خرچ کرنی چاہی، تو رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ''تمہارا بھائی اپنے قرض کے سبب روک لیا گیا ہے، اس لیے اس کا قرض ادا کر دو، میں نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! میں نے ان کا سارا قرض ادا کر دیا ہے سوائے دو دینار کے جس کا ایک عورت دعوی کر رہی ہے اور اس کے پاس کوئی گواہ نہیں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: اسے دے دو اس لیے کہ وہ سچی ہے۔(۲)

میرے بھائی! اللہ تعالی نے شہید کے لیے جو مغفرت اور اجر عظیم تیار کیا ہے، ذرا اس پر غور کریں کہ اس کے تمام گناہ

(۱) اس حدیث کو مسلم نے باب من قتل في سبيل الله كفرت خطاياه الا الدين میں روایت کیا ہے۔

(۲) اس حدیث کو احمد، بیہقی اور ابن ماجہ نے روایت کیا، اور البانی نے ارواء الغلیل میں صحیح کہا۔

بخش دیئے جاتے ہیں، لیکن اس قدر ومنزلت کے باوجود اللہ رب العالمین نے اپنی مغفرت سے قرض کو مستثنی کردیا ہے، اس سے حقوق کی ادائیگی، اور ورثاء کو قرض ادا کرنے کی وصیت کی عظیم اہمیت واضح ہوتی ہے، بسا اوقات میت اپنے گھر والوں کو اپنے قرضوں سے باخبر نہیں کرتا، ایسی حالت میں اس کے اہل خانہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ لوگوں سے پوچھ کر قرض خواہوں کو تلاش کریں، یہ اچھی بات ہے کہ میت کی نماز جنازہ ادا کرنے سے قبل میت کے رشتہ دار اس کے سر کے پاس کھڑے ہوکر یہ اعلان کریں کہ متوفی شخص کا جس پر بھی قرض ہے، وہ ہمارے ذمے ہے، میں نے ایک اخبار میں یہ اعلان پڑھا، جو مجھے بہت اچھا لگا، جسے ایک متوفی شخص کے لڑکوں نے شائع کرایا تھا، کہ فلاں شخص وفات پا گیا ہے، اور اگر اس پر کسی کا قرض ہے تو وہ ہمیں خبر کرے، اور ہم پر اس کا قرض ادا کرنے کی ذمہ داری ہے۔

اگر مرنے والا شخص اپنی وصیت میں یہ باتیں پہلے ہی لکھ دیتا ہے تو اس کے اہل خانہ کو لوگوں سے پوچھنے کی زحمت نہیں ہوگی۔

(۲) صدقہ کی وصیت سے میت کی وفات کے بعد بھی اسے مسلسل ثواب جاری رہتا ہے، جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالی نے وفات کے وقت تم کو تمہارے ایک تہائی مال تک صدقہ کرنے کی اجازت دی ہے، جو تمہارے اعمال میں زیادتی کا باعث ہے''۔(۱)

(۳) وصیت میں موت کی تیاری کی علامت ہے: اس میں اس حدیث کو برحق سمجھنا بھی ہے جسے انس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا گذر ایک ایسی مجلس سے ہوا جس میں لوگ ہنس رہے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا: "أكثروا من ذكر هاذم اللذات: الموت، فإنه لم يذكره أحد في ضيق من العيش إلا وسعه عليه ولا في سعة إلا ضيقه عليه" (۲) ترجمہ: تم لذتوں کو ختم کرنے والی چیز کو بکثرت یاد کیا کرو یعنی موت کو، اس لیے کہ جو شخص اسے اپنی خستہ حالی میں یاد کرتا ہے تو وہ اس کی خستہ حالی کو آسان بنا دیتی ہے اور جو خوشحالی میں اسے یاد کرتا ہے تو وہ اس کی خوشحالی کو تنگ کردیتی ہے (یعنی خوشحالی میں اسے بدمستی سے روک دیتی ہے)۔ امام دقاق ؒ نے یہ بہت اچھی بات کہی ہے: ''کہ جو شخص موت زیادہ یاد کرتا ہے اسے تین باتوں کی توفیق بخشی جاتی ہے: (۱) توبہ میں جلدی، (۲) دل کی قناعت، (۳) عبادت سے لگاؤ۔ اور جو شخص موت کو بھول جاتا ہے تو اسے تین چیزوں سے سزا دی جاتی ہے: (۱) توبہ میں تاخیر (۲) بقدر کفایت روزی پر قناعت نہ کرنا (۳) عبادت میں سستی۔

(۴) رسول اکرم ﷺ کی سنت مبارکہ زندہ کرنا: وصیت تحریر کرنے سے اللہ تعالی اسے ان لوگوں کے زمرے میں داخل کرے گا جو رسول اللہ ﷺ کی بھولی بسری سنتوں کو زندہ کرتے ہیں۔

(۱) اس حدیث کو بزار نے اور بیہقی نے روایت کیا اور البانی نے صحیح الترغیب والترہیب میں حسن قرار دیا۔

(۲) اس کی تخریج گذر چکی ہے۔

وصیت کی حکمت

رسول اللہﷺ کا ارشاد ہے: "إن الله تصدق عليكم عند وفاتكم بثلث أموالكم زيادة في أعمالكم" (۱) اللہ نے وفات کے وقت تمہیں ایک تہائی مال صدقہ کرنے کی اجازت دی ہے، جو تمہارے اعمال میں زیادتی کا باعث ہے۔(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وصیت، تقرب الٰہی کا ایک ذریعہ ہے جس سے انسان اپنی زندگی کے آخری لمحات میں اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرتا ہے تاکہ اس کی نیکیوں میں اضافہ ہو جائے، اور جو چیز فوت ہوگئی ہے اسے حاصل کرلے، وصیت کرنے میں لوگوں کے ساتھ نیکی اور غم خواری ہے، بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ میت اپنے کسی مال کی اپنے وارث کو وصیت کردیتا ہے، حالانکہ وارث کے لیے وصیت کرنی جائز نہیں ہے، جیسا کہ ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میں نے رسول اللہﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: "إن الله قد أعطى كل ذي حق حقه، فلا وصية لوارث"۔(۲) اللہ تعالیٰ نے ہر حق دار کو اس کا حق عطا کیا ہے، اس لیے کسی وارث کے لیے وصیت نہیں کی جاسکتی۔

تمام علماء کا اس حدیث کے حکم پر عمل کا اجماع ہے، لیکن اگر ورثاء اس بات کی اجازت دے دیں کہ کسی وارث کے حق میں وصیت کردے تو اس رضا مندی کی صورت میں وصیت نافذ کی جائے گی، اس لیے کہ مال وراثت کے مستحق وہی لوگ ہیں اس لیے اگر از خود وہ اس سے دستبردار ہو جائیں اپنے کسی بھائی کے حق میں، تو اس وصیت کے نفاذ میں کوئی مانع نہیں۔ (۳)

بعض انبیاء علیہم السلام اور صالحین کی وصیتوں کے چند نمونے

☆ خیر البشر، اولاد آدم کے سردار محمد بن عبداللہﷺ کی وصیت:

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: وفات کے وقت، حالت سکرات میں رسول اللہﷺ کی عام وصیت یہ تھی: "الصلاة وما ملكت أيمانكم" (۴) نماز اور اپنے ماتحتوں (غلاموں اور خادموں) کا خاص خیال رکھو۔

نماز کی اہمیت اس وجہ سے ہے کہ یہ عبادات میں سب سے پہلا فرض ہے جو اللہ تعالیٰ نے بندہ پر فرض کیا ہے، اور یہی وہ عبادت ہے جس کا قیامت کے دن سب سے پہلے حساب لیا جائے گا، اور سب سے آخری چیز ہے جسے بندہ دین سے کھو دے گا، اور یہ مسلمان اور کافر کے درمیان حد فاصل ہے، مسلمانوں کے حال پر غور کرنے والا شخص اس عبادت کی ادائیگی میں لوگوں کے اندر کافی سستی اور غفلت پائے گا، اس طرح کہ وہ اس کو وقت پر ادا نہیں کرتے یا کسی وقت پڑھتے ہیں اور کبھی نہیں پڑھتے، بعض تو ایسے بھی ہیں کہ صرف جمعہ کی، یا رمضان اور ذی الحجہ کے موسم میں نماز پڑھتے ہیں، آپﷺ کی یہ وصیت اس

(۱) اس کو احمد، ابوداود اور ترمذی نے روایت کیا، اور البانی نے اسے ارواء الغلیل میں حسن کہا۔

(۲) اس حدیث کو ابوداود، ترمذی، ابن ماجہ اور احمد نے روایت کیا، اور البانی نے صحیح الجامع میں صحیح کہا ہے۔

(۳) شیخ ابن عثیمین ؒ نے تسہیل الفرائض میں اس پر دلیل دی ہے۔

(۴) اس کو ابن ماجہ نے روایت کیا اور البانی ؒ نے اسے صحیح ابن ماجہ میں صحیح کہا ہے۔

عظیم رکن کی تاکید بیان کرنے کے لیے آئی ہوئی ہے۔

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی اپنے بچوں کو وصیت

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے وفات کے وقت اپنے بیٹوں کو جمع کر کے فرمایا:

''میرے بچو! کوئی بھی شر جس کے بعد جنت ملے، وہ شر نہیں، اور کوئی بھی خیر جس کے بعد دوزخ ہو، وہ خیر نہیں۔ تمام نعمتیں جنت کے مقابلے میں حقیر ہیں، اور ہر مصیبت دوزخ کے مقابلے میں عافیت ہے، میرے بچو! جو شخص اپنے عیوب پر نظر رکھتا ہے وہ دوسرے کے عیوب سے بے نیاز ہو جاتا ہے، اور جو اللہ کی تقسیم پر راضی رہتا ہے، وہ نہ ملنے والی چیزوں پر رنجیدہ نہیں ہوتا، اور جو بغاوت کی تلوار بلند کرتا ہے، وہ اسی سے مارا جاتا ہے، اور جو اپنے بھائی کے لیے کنواں کھودتا ہے، تو وہ اسی میں گرتا ہے، جو اپنے بھائی کی پردہ دری کرتا ہے، تو اس کے اولاد کی بھی پردہ دری ہوگی، اور جو اپنی غلطیاں بھول جاتا ہے اسے دوسروں کی غلطیاں بڑی لگتی ہیں، جو خود پسندی میں مبتلا ہوگا، وہ گمراہ ہو جائے گا اور جو اپنی عقل کو کافی سمجھے گا، وہ ٹھوکر کھائے گا، اور جو لوگوں پر تکبر کرے گا، وہ ذلیل ہوگا اور جو کمینہ لوگوں کی صحبت میں رہے گا، وہ حقارت پائے گا، اور جو بری جگہوں میں جائے گا، وہ متہم ہوگا، جو علماء کی صحبت اختیار کرے گا، اس کی عزت کی جائے گی، اور جو مذاق کرے گا، اس کی وجہ سے وہ ہلکا ہوگا، اور جو شخص جو کام زیادہ کرے گا، اسی سے وہ مشہور ہوگا، اور جو زیادہ بات کرے گا تو اس سے زیادہ خطائیں سرزد ہوں گی، اور اس میں حیاء کم ہوگی، اور جس میں حیاء کم ہوگی، اس کا تقوی کم ہوگا اور جس کا تقوی کم ہوگا، اس کا دل مردہ ہو جائے گا، اور جس کا دل مردہ ہو جائے گا تو وہ دوزخ میں داخل ہوگا۔

میرے بچو! حسن ادب ایک ایسا ترازو ہے جس پر لوگوں کو تولا جاتا ہے، اور اچھے اخلاق بہترین ساتھی ہیں، میرے بچو! عافیت کے دس حصے ہیں، جس میں سے نو، خاموشی میں رکھے گئے ہیں، سوائے اللہ کی یاد کے، اور عافیت کا دسواں حصہ نادان لوگوں کی مجلسوں کو چھوڑ دینے میں ہے۔

میرے بچو! اسلام سے بھی بلند کوئی شرف نہیں، اور تقوی سے بڑی کوئی عزت نہیں اور توبہ سے زیادہ کامیاب کوئی سفارشی نہیں، اور عافیت سے زیادہ خوبصورت کوئی لباس نہیں، میرے بچو! حرص تھکاوٹ کی کنجی اور پریشانیوں کی سواری ہے۔(۱)

زاہد تابعی ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ کی وصیت

ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ سے کہا گیا: ''آپ ہمیں ایسی باتوں کی وصیت فرمائیں جو ہمیں فائدہ دے''، آپ نے فرمایا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱- جب تم لوگوں کو دنیاداری میں مشغول دیکھو تو تم آخرت میں مشغول ہو جاؤ۔

(۱) المستطرف فی کل فن مستظرف۔

۲-جب تم لوگوں کو دیکھو کہ وہ ظاہر کو مزین کرنے میں مشغول ہیں تو تم اپنے باطن کی تزئین میں مشغول ہو جاؤ۔
۳-جب تم لوگوں کو باغوں اور محلوں کو آباد کرنے میں مشغول دیکھو تو تم قبروں کو آباد کرنے میں مشغول ہو جاؤ۔
۴-جب تم انہیں دیکھو کہ وہ مخلوق کی خدمت میں مشغول ہیں تو تم رب العالمین کی عبادت میں مشغول ہو جاؤ۔
۵-جب تم انہیں لوگوں کی عیب چینی میں مشغول پاؤ تو اپنے عیوب کی تلاش میں مشغول ہو جاؤ۔
۶-اور اس دنیا سے اتنا توشہ تیار کرو جو تمہیں آخرت تک پہنچا دے، اس لیے کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔(۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ میری شرعی وصیت ہے:

میں اللہ عز وجل کی تعریف کرتا ہوں اور ہمارے نبی محمد بن عبداللہ، اور آپ کی آل اور اصحاب پر درود وسلام بھیجتا ہوں، حمد وثناء کے بعد:

اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿كتب عليكم إذا حضر أحدكم الموت إن ترك خير الوصية للوالدين والأقربين بالمعروف حقا على المتقين﴾ (۲)

ترجمہ: جب تم میں سے کسی کی موت قریب ہو اور وہ مال اور جائیداد چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہو رہا ہو، تو تمہارے اوپر والدین اور قریبی رشتہ داروں کے لیے مناسب وصیت فرض کردی گی ہے، یہ متقی لوگوں پر لازم ہے۔

اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ''ہر اس مسلمان پر حق ہے، جس کے پاس کوئی قابل وصیت چیز ہے، دو راتیں گذرنے سے پہلے اس کی وصیت اس کے پاس لکھی ہوئی ہونی چاہئے، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان سنا، اس دن سے ایک رات بھی مجھ پر ایسی نہیں کہ میری وصیت میرے پاس نہ ہو۔(۳)

یہ میری وصیت ہے جسے میں صحت اور مکمل عقل وہوش کے ساتھ لکھ رہا ہوں:

میں فلاں .... اور فلاں .... کا بیٹا ہوں۔

میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے، اور اس بات کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں، اور قیامت آنے والی ہے جس میں کوئی شک وشبہ نہیں، اور اللہ تعالی ان تمام کو زندہ کرکے اٹھائے گا جو قبروں میں ہیں۔

میں اپنے اہل وعیال اور ان تمام کو جو یہ وصیت پڑھیں گے، اللہ عز وجل سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں، اور یہ کہ انہیں دنیوی زندگی دھوکے میں نہ ڈالے، اور شیطان انہیں اللہ کی طرف سے دھوکے میں نہ ڈال دے، اور یہ کہ وہ اپنے آپسی تعلقات کو سنوار لیں، اگر وہ صاحب ایمان ہوں تو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں جیسا کہ ارشاد الہی ہے: ﴿فاتقوا

(۱) شیخ ابراہیم بن عبداللہ الحازمی نے اپنی کتاب ''الوصایا'' میں اسے ذکر کیا ہے۔
(۲) البقرہ: ۱۸۰۔ (۳) اس تخریج گذر چکی ہے۔

الله وأصلحوا ذات بينكم وأطيعوا الله ورسوله إن كنتم مؤمنين﴾ (۱) ترجمہ: پس تم لوگ اللہ سے ڈرو، اور اپنے آپس کے تعلقات کو ٹھیک رکھو، اگر تم مومن ہو تو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اور میں انہیں اسی بات کی وصیت کرتا ہوں، جس کی وصیت ابراہیم اور یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد کو کی تھی: ﴿يا بني إن الله اصطفى لكم الدين فلا تموتن إلا وأنتم مسلمون﴾ (۲)

ترجمہ: میرے بیٹو! اللہ نے تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کرلیا ہے، اس لیے مرتے وقت مسلمان ہی رہ کر مرنا۔

اور میں تمہیں اللہ تعالی سے ڈرنے، میری موت پر صبر کرنے، اور اس وقت کلمات خیر کہنے، اور میرے لیے رحمت ومغفرت اور جنت میں داخلے اور دوزخ سے نجات کی دعا کرنے کی وصیت کرتا ہوں، نیز یہ بھی کہ وہ زیادہ سے زیادہ ان کلمات کا ورد کریں: (لا إله إلا الله) اور (إنا لله وإنا إليه راجعون اللهم أجرني في مصيبتي واخلف لي خيرا منها) ترجمہ: بے شک ہم اللہ کے ہی ہیں اور بلا شبہ ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں، اے اللہ میری مصیبت میں تو مجھے ثواب عطا کر، اور اس سے بہتر بدل مجھے عنایت فرما۔

نیز اس بات کی بھی وصیت کرتا ہوں کہ آپ لوگ رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان پر عمل کریں: ''جب تم کسی میت یا مریض کے پاس جاؤ تو تم اس کے حق میں کلمات خیر کہو، اس لیے کہ فرشتے تمہاری باتوں پر آمین کہتے ہیں۔ (۳)

اور اس بات کی بھی وصیت کرتا ہوں کہ جب میری موت ثابت ہوجائے تو میری تجہیز وتکفین میں جلدی کی جائے، اور میرے اقرباء اور احباب، اور نیک لوگوں کو اس کی اطلاع دی جائے، بشرطیکہ اس میں چیخنا چلانا، بلند آواز سے رونا یا نوحہ نہ ہو، تاکہ انہیں بھی میری تجہیز وتکفین، غسل اور نماز جنازہ، جنازے کے ساتھ چلنے اور تدفین کا ثواب حاصل ہو، اور تاکہ مجھ پر نماز پڑھنے والوں اور میرے لیے طلب مغفرت کرنے والوں کی کثرت ہو، جیسا کہ اللہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے متعلق آتا ہے کہ ان کے ایک لڑکے کا مقام ''قدید'' یا ''عسفان'' میں انتقال ہوگیا، آپ نے اپنے غلام کریب سے کہا: کریب! ذرا دیکھو کتنے لوگ جمع ہوئے ہیں؟ میں نے باہر نکل کر دیکھا تو لوگوں کی ایک خاصی تعداد اکٹھی ہوچکی تھی، میں نے آپ کو اس کی خبر دی تو فرمایا: کیا ان کی تعداد چالیس ہوگی؟ میں نے کہا: ہاں ہوگی، تو فرمایا کہ پھر جنازے کو باہر نکالو، اس لیے کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: "ما من رجل مسلم يموت فيقوم على جنازته أربعون رجلا لا يشركون بالله شيئا إلا شفعهم الله فيه" (۴) ترجمہ: ''جس مسلمان میت کی نماز جنازہ چالیس ایسے مسلمان ادا کریں جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے، تو اللہ تعالی اس میت کے حق میں ان کی سفارش کو ضرور قبول فرماتا ہے''۔

اور اسی طرح میں آپ لوگوں کو میری وصیت کے نفاذ میں جلدی کرنے کی، اور رسول اکرم ﷺ کے اس فرمان کی

---

(۱) الانفال: ۱۔ (۲) البقرۃ: ۱۳۲۔

(۳) اس حدیث کو مسلم نے باب ما يقال عند الميت والمريض میں روایت کیا ہے۔

(۴) اس حدیث کو مسلم باب من صلى عليه أربعون شُفعوا فيه میں روایت کیا ہے۔

اہمیت کے پیش نظر میری تدفین سے فراغت کے فورا بعد میرے قرض کوادا کرنے کی وصیت کرتا ہوں: ''نفس المؤمن معلقة بدَينه حتى يُقضى عنه'' ''مومن کی روح اس کے قرض کی وجہ سے لٹکی رہتی ہے، یہاں تک کہ اس کی جانب سے وہ قرض ادا کردیا جائے''۔(۱)

میرے قرضوں کی مختصر تفصیل یہ ہے:

۱-فلاں ....بھائی کوایک ہزار دینا

۲-فلاں ....کمپنی کو ماہانہ قسط...........روپیہ

۳-فلاں ....مکان یا دکان کا ۵۰۰ روپیہ باقی کرایہ دینا

ان قرضوں کی تفصیل جولوگوں سے مجھے لینے ہیں:

۱-فلاں ....کمپنی میں میرے بیس ہزار شیئر (Share) فلاں ....بھائی کے پاس ہیں۔

۲-فلاں ....کمپنی میں میرے تیس ہزار شیئر ہیں۔

۳-میں نے فلاں ....بھائی کو دو ہزار روپیہ قرض دیا ہے۔

نیز اس بات کی بھی وصیت کرتا ہوں کہ قرضے ادا کرنے کے بعد، میرے مال میں سے اتنا، یا ایک تہائی صدقہ کردیا جائے، تاکہ رسول اکرم ﷺ کے اس فرمان پرعمل ہوجائے، جیسا کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے میری عیادت فرمائی، میں نے کہا: میں اپنا تمام مال (اللہ کی راہ میں) وصیت کرتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، میں نے کہا: آدھا کردوں؟ فرمایا: نہیں، میں نے کہا: کیا ایک تہائی (1/3) کرسکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! لیکن ایک تہائی بھی زیادہ ہے۔(۲)

اور میرے اس وصیت کردہ صدقات کو مندرجہ ذیل مدوں میں خرچ کیا جائے:

۱-وقف برائے حفظ قرآن مجید

۲-وقف برائے قربانی

۳-وقف برائے طلباء

۴-وقف برائے کفالت ایتام

اس کے بعد میرا مال میرے وارثوں میں اللہ تعالی کے حکم اور شریعت کے مطابق تقسیم کردیا جائے۔

اور میں آپ لوگوں کو گواہ بناتے ہوئے یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میں نے ہر اس شخص کو معاف کردیا جس نے میرے متعلق کوئی بری گفتگو کی ہے اور میں اپنے دوست واحباب سے بھی یہ امید کرتا ہوں کہ اگر ان کے حق میں میری جانب سے کوئی

---

(۱) اس حدیث کو ابن ماجہ نے روایت کیا اور البانی ؒ نے اسے صحیح ابن ماجہ میں صحیح کہا ہے۔ اس حدیث کو بخاری نے باب فضل النفقة على الأهل میں روایت کیا ہے۔

(۲)

کوتاہی ہوئی ہوتو درگذر کریں گے اور آخر میں اپنے اہل وعیال کو وہ خاص وصیت کرنا چاہتا ہوں جس کی کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو اپنی زندگی کے آخری لمحات میں کی، جیسا کہ امام احمد نے علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ کی آخری وصیت یہ تھی: نماز، نماز، نماز اور اپنے ماتحتوں کا خاص خیال رکھو۔

یہ میری وصیت ہے، اور میں اللہ تعالی کی جناب میں شرع شریف کے خلاف ہر کام اور ہر بات سے براءت کا اظہار کرتا ہوں۔

سبحان ربك رب العزة عما يصفون وسلام على المرسلين والحمد لله رب العالمين.

ترجمہ: یہ جو کچھ بیان کرتے ہیں تمہارا پروردگار جو صاحب عزت ہے اس سے پاک ہے، اور پیغمبروں پر سلام، اور سب طرح کی تعریف اللہ رب العالمین کو (سزاوار) ہے۔

یہ وصیت .... دن .... تاریخ ہجری .... تاریخ عیسوی لکھی گئی ہے۔

وصیت کرنے والے کا نام: ....

دستخط: ....

گواہ:

۱- نام .... دستخط ....

۲- نام .... دستخط ....

☆☆☆

کیلنڈر 2013 جامعہ سلفیہ بنارس

حسب سابق جامعہ سلفیہ کا کیلنڈر 2013 عمدہ طباعت اور بہترین ڈیزائن کے ساتھ چار کلر میں طبع ہوکر منظر عام پر آچکا ہے، خواہشمند حضرات مندرجہ ذیل پتہ سے طلب کر سکتے ہیں۔

مکتبہ سلفیہ

جامعہ سلفیہ (مرکزی دار العلوم) بنارس

Maktaba Salafiah, B.18/1-G, Reori Talab, Varanasi-221010 (U.P.)

اسلام میں معیشت وتجارت کی اہمیت

ہلال احمد بن ہدایت اللہ
فضیلت سال اول، جامعہ سلفیہ، بنارس

﴿یا أیها الذین آمنوا لا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل إلا أن تکون تجارة عن تراض منکم ولا تقتلوا أنفسکم إن الله بکم رحیما﴾ (النساء:۲۹)

اسلام ایک مکمل نظام زندگی ہے جوانسانی وجود کے مادی اور روحانی، انفرادی اور اجتماعی، دنیوی اور اخروی تمام پہلوؤں کومحیط ہے، اسلام کا تقاضہ ہے کہ انسان اپنے پورے وجود کے ساتھ خدائے واحد کے سامنے سربسجود ہوجائے اور اپنی مرضی کو اللہ تعالی کی مرضی کے تابع بنادے، اسلام کوئی راہبانہ مذہب نہیں اور نہ ہی خیرات وصدقات کی روٹی پر زندگی بسر کرنے کے لیے توکل کی راہ دکھانے والا باطل عقیدہ ہے، بلکہ وہ معاشی خوشحالی کی تعریف کرتا ہے جس کی بنیاد ومحور توحید ہے، ارشاد باری تعالی ہے: ﴿ولا تقولوا لما تصف ألسنتکم الکذب هذا حلال وهذا حرام لتفتروا علی الله الکذب﴾ (النحل:۱۱۶) اس آیت کا ماحصل یہ ہے کہ جس چیز کے حلال یا حرام ہونے کا حکم تم کو اللہ اور رسول سے نہ پہنچے اسے حلال یا حرام نہ کہو، ورنہ تم اللہ پر جھوٹ باندھنے والے ہوگے، کیونکہ حلت وحرمت کا مدار اللہ کے حکم کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہے۔

اسلام نے معاشی نظام کا جونقشہ پیش کیا ہے وہ نہایت متوازن اور معتدل ہے، وہ معاشرہ اور فرد دونوں کی ضروریات واحتیاجات کوملحوظ رکھتا ہے، نہ تو معاشرہ کو اتنے قاہرانہ اختیار دیتا ہے کہ فرد کی ذات مسخ ہوجائے، نہ فرد کو اتنی آزادی دیتا ہے کہ جس سے دوسرے افراد کی آزادی مجروح ہوجائے، ایک طرف وہ انسان کے اندر اخوت ومحبت، ایثار وہمدردی اور تعاون کے جذبات پیدا کرتا ہے تو دوسری طرف بے کس ومعذور اور ناتواں لوگوں کے لیے اہل ثروت کی دولت میں ان کا حق متعین کرتا ہے، ارتکاز زر کے استیصال کے لیے ایک طرف سود کو حرام قرار دیتا ہے تو دوسری طرف وراثت اور زکاۃ کے ذریعہ دولت کی منصفانہ تقسیم کا اہتمام بھی کرتا ہے، اسلام اگر اصل سرمایہ کو اپنے ملازموں اور مزدوروں کو فلاح وبہبود کا حکم دیتا ہے تو دوسری طرف مزدوروں اور ملازموں کو بھی اپنی ذمہ داریاں امانت ودیانت سے انجام دینے کا پابند ہے۔

معیشت کا لغوی معنی: زندگی، زندگانی، زیست، حیات، عیش، روزگار، روزی۔

اصطلاحی: معیشت کا ذکر ایسے علم کی حیثیت سے کیا جاتا ہے جس کا مقصد گھریلو انتظامات کو بہتر سے بہتر بنانا ہے، اس لیے اس زمانے میں معیشت کی تعریف گھریلو انتظامات کے علم (House Hold Management) کے طور پر کی گئی ہے۔

اسلامی تاریخ میں تاجروں اور تجارت سے وابستہ حضرات نے مقاصد اسلام کی تکمیل میں بہت نمایاں حصہ لیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جتنے تاجران اسلام تھے وہ سب داعیان اسلام بھی تھے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین صرف تجارت میں حصہ نہیں لیتے تھے، بلکہ انہوں نے تجارت کو اس طرح نئے انداز سے مرتب کیا اور بڑے پیمانے پر منظم کیا کہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے بین

الاقوامی سطح پر تجارت کو فروغ دیا، صحابہ کرامؓ کی اس کارپوریٹ تجارت کے نتیجے میں بڑے پیمانے پر مسلمان تاجر دنیا بھر میں پھیل گئے، وہاں انہوں نے اسلام کی تبلیغ بھی کی اور رزق حلال کے طریقے بھی دنیا کو سکھائے۔

اسلامی شریعت کی رو سے کاروبار اور تجارت کی سب سے اہم صورت جس کو قرآن کریم میں بیان کیا گیا ہے وہ بیع ہے، ارشاد باری تعالیٰ: ﴿أحل الله البيع وحرم الربا﴾ (البقرہ:۲۷۵) اللہ نے تجارت کو حلال کیا اور سود کو حرام کیا ہے۔

تجارت بیع وشراء اور کھیتی باڑی بلکہ سب دنیاوی کاروبار ضروریات زندگی ہیں، جن کے لیے اسلام نے بہترین اصول اور ہدایات پیش کی ہیں، اور اس سلسلہ میں ہر ممکن ترقی کے لیے رغبت دلائی ہے، جس کا زندہ ثبوت وہ انصار اور مہاجرین ہیں جنھوں نے عہد رسالت میں تجارت اور زراعت میں قابل رشک ترقی حاصل کی اور تجارت وکھیتی وباغبانی میں بھی وہ دنیا کے لیے ایک مثال بن گئے۔

ہمارے نبی ﷺ خود معاش کے لیے بکریاں چرایا کرتے تھے۔

آپ ﷺ حلیمہ کے پاس بنی سعد پہنچ گئے اور ان کے ساتھ رہنے لگے جب چلنے پھرنے لگے اور بعض چھوٹے کام کرنے لگے تو اپنے رضاعی بھائی کے ساتھ بکریاں چرانے لگے، انہیں ایام میں توشق صدر کا واقعہ پیش آیا تھا، اور جب اپنی ماں کے پاس مکہ واپس آئے اور کچھ بڑے ہوئے تو حصول رزق کے لیے چند ٹکوں کے عوض اہل مکہ کی بکریاں چرایا کرتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جب بھی کوئی نبی مبعوث کیا تو اس نے بکریاں چرائیں، صحابہ کرام نے پوچھا اور آپ؟ تو فرمایا: ہاں، میں بھی چند سکوں کے عوض اہل مکہ کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ (صحیح بخاری، کتاب الاجارۃ، ح:۲۲۶)

اہل مکہ کی مالی قوت کا بنیادی سبب قبائل عرب، ملک شام، یمن، حیرہ، فارس، حبشہ اور دیگر علاقوں کے رہنے والوں کے ساتھ عہد قدیم سے تجارت کرنا تھا، اس لیے آپ ﷺ نے بھی اس پیشہ کو اختیار کیا، چنانچہ بارہ سال کی عمر میں اپنے چچا کے ساتھ آپ ﷺ نے شام کا سفر کیا، تاکہ تجارت کے اسرار ورموز کا علم حاصل کریں، آپ ﷺ بڑے ہو کر تجارت کرتے تھے، آپ ﷺ کے شریک تجارت عبداللہ بن سائب تھے۔

نبی کریم ﷺ جب پچیس سال کے ہوئے تو آپ کے چچا ابو طالب نے کہا میرے بھتیجے! میں قلیل المال کثیر العیال ہوں، اور ہم سب پر مشکل وقت آپڑا ہے، اور یہ تمہاری قوم کا قافلہ تجارت کے لیے نکلنے والا ہے اور خدیجہ بنت خویلدؓ تمہاری قوم کو اپنا مال دے کر بھیجا کرتی ہیں، چنانچہ حضرت خدیجہؓ کو آپ کے بارے میں صدق گوئی، امانت داری، اخلاق حسنہ کی باتیں معلوم ہوئیں تو انہوں نے خود آپ ﷺ کو بلا بھیجا، آپ سے طلب کیا کہ ان کا مال تجارت لے کر شام جائیں اور وہ آپ کو اس سے اچھی اجرت دیں گے، جو دیگر تاجروں کو دیا کرتی ہیں، آپ ﷺ تیار ہو گئے، آپ ﷺ بصرہ کے بازار میں پہنچے اور مال تجارت بیچا تو گزشتہ تاجروں کے مقابلے میں دوگناہ نفع ہوا اور جو کچھ خریدنا تھا خرید کر مکہ واپس لوٹ آئے، آپ کے ساتھ حضرت خدیجہ کا غلام میسرہ بھی تھا جس نے اپنی مالکن حضرت خدیجہؓ کو اس نفع کی اطلاع دی، جو ان کی تجارت سے حاصل ہوا تھا، ان سب باتوں سے وہ بہت خوش ہوئیں، کچھ دن گذرنے کے بعد آپ ﷺ نے ان سے نکاح کرلیا۔

تجارت کی اہمیت وفضیلت اللہ تعالی نے قرآن کریم میں اور نبی اکرم ﷺ نے احادیث میں متعدد بار بیان کیا ہے، اللہ رب العالمین نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا: ﴿لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون تجارة عن تراض منكم﴾ (النساء:۲۹)

اے ایمان والو! اپنے آپس کے مال ناجائز طریقہ سے مت کھاؤ مگر یہ کہ تمہاری آپس کی رضامندی سے خرید فروخت ہو۔ (تفسیر جوناگڑھی ؒ)

دوسری جگہ ارشاد فرمایا: ﴿فإذا قضيت الصلوة فانتشروا في الأرض وابتغوا من فضل الله واذكروا الله كثيرا لعلكم تفلحون﴾ (الجمعۃ:۱۰) ترجمہ: پھر جب نماز ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور بکثرت اللہ کا ذکر کیا کرو، تاکہ تم فلاح پاؤ۔ فضل سے مراد کاروبار اور تجارت ہے۔ قیس بن غزرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا گزر ہمارے پاس سے ہوا، ہمیں سماسرہ یعنی دلال کے نام سے یاد کیا جاتا تھا تو ہمیں ایک بہترین نام سے مخاطب کیا اور کہا اے تاجروں کی جماعت بیشک شیطان اور گناہ دونوں بیع وشراء کے وقت حاضر ہوتے ہیں، پس اس کا دفع صدقہ کے ذریعہ کرو۔ (ابوداود، ترمذی) قریش کا پیشہ تجارت تھا، اور اہل مدینہ بیشتر کاشتکار تھے، جب مہاجرین مدینہ تشریف لائے تو انہوں نے اپنا آبائی پیشہ تجارت ہی زیادہ پسند فرمایا، کسب معاش کے سلسلہ میں مہاجرین اور انصار سب ہی اپنے دھندھوں میں مشغول رہا کرتے تھے، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کہتے ہیں کہ جب ہم مدینہ آئے تو رسول اللہ ﷺ نے میرے اور سعد بن ربیع انصاری کے درمیان بھائی چارہ کرادیا، سعد بن ربیع نے کہا میں انصار کے سب سے زیادہ مالدار لوگوں میں سے ہوں، اس لیے اپنا آدھا مال میں آپ کو دیتا ہوں، اور آپ خود دیکھ لیں کہ میری دو بیویوں میں سے آپ کو کون زیادہ پسند ہے، میں آپ کے لیے ان میں سے ایک کو طلاق دوں گا، جب ان کی عدت پوری ہوجائے تو آپ ان سے نکاح کرلیں، بیان کیا کہ اس پر عبدالرحمٰن بن عوف ؓ نے فرمایا: مجھے ان کی ضرورت نہیں، کیا یہاں کوئی بازار ہے، جہاں کاروبار ہوتا ہے؟ سعد بن ربیع نے ''سوق قنیقاع'' کا نام لیا، بیان کیا کہ پھر وہ تجارت کے لیے آنے جانے لگے، اور پنیر اور گھی کی تجارت کرتے تھے، کچھ دنوں کے بعد ایک دن رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو زرد رنگ کا نشان (کپڑے یا جسم) پر تھا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کس سے؟ بولے کہ ایک انصاری خاتون سے دریافت کیا اور مہر کتنا دیا ہے؟ عرض کیا ایک گٹھلی برابر سونا یا یہ کہ سونے کی ایک گٹھلی دی ہے، پھر نبی ﷺ نے فرمایا: اچھا تو ولیمہ کرلو، خواہ ایک بکری ہی کا ہو۔ (بخاری، ح:۲۰۴۹، کتاب البیوع)

حضرت ابن عباس ؓ کہتے ہیں کہ عکاظ، مجنہ اور ذوالمجاز یہ جاہلیت کے بازار تھے، جب اسلام آیا تو لوگ اس بازار کے سلسلے میں گناہ محسوس کرنے لگے تو اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿ليس عليكم جناح أن تبتغوا فضلا من ربكم﴾۔ (البقرۃ:۱۹۸، بخاری، ح:۲۵) ترجمہ: تم پر اپنے رب کا فضل تلاش کرنے میں کوئی گناہ نہیں۔

اس کے علاوہ اور کئی مقامات پر تجارت کرنے کے لیے اللہ رب العالمین نے ابھارا، ارشاد فرمایا: ﴿فامشوا في مناكبها وكلوا من رزقه﴾ تم اس کی راہوں میں چلتے پھرتے رہو اور اللہ کی روزیاں کھاؤ پیو۔ اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا: ﴿وسخر لكم ما في السماوات وما في الأرض جميعا منه﴾ اور آسمان وزمین کی ہر ہر چیز کو بھی اس نے اپنی طرف سے تمہارے تابع کردیا ہے۔

کسب مال کی اسی اہمیت کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ نے متعدد بار ارشاد فرمایا ہے: "عن المقدام عن النبي ﷺ قال ما أكل أحد طعاما قط خيرا من أن يأكل من عمل يده وان نبي الله داود عليه السلام كان يأكل من عمل يده" (بخاری) حضرت مقدام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: کسی انسان کا سب سے بہتر کھانا وہ ہے جو اس کے ہاتھ کی کمائی کا ہو، بیشک اللہ کے نبی داود علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے۔

اسی ضمن میں حضرت ابوبکر صدیق ؓ کا وہ قول جب وہ خلیفہ بنائے گئے تو انہوں نے کہا میری قوم جانتی ہے کہ میرا تجارتی کاروبار میرے گھر والوں کے گذران کے لیے کافی رہا ہے، لیکن اب میں مسلمانوں کے کام میں مشغول ہو گیا ہوں، اس لیے آل ابو بکر اب بیت المال میں سے کھائیں گے اور ابو بکر مسلمانوں کا مال تجارت بڑھاتا رہے گا۔ (بخاری)

سیدنا عمر فاروق ؓ کے صاحب زدگان کا واقعہ مشہور ہے جنہوں نے بیت المال کی رقم سے تجارت کی اور مضاربہ کے طور پر نفع کا حصہ خود رکھا اور ایک حصہ بیت المال میں جمع کرایا۔ جن کبار صحابہ کی بڑے پیمانے پر تجارت تھی، جس کو کارپوریٹ تجارت کہا جا سکتا ہے ان میں سیدنا زبیر، سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف، سیدنا عثمان عفان رضی اللہ عنہم کی تجارتیں شامل ہیں، اس کے علاوہ سیدنا ابو بکر صدیق، سیدنا عمر فاروق، حضرت ابوطلحہ اور متعدد دوسرے کبار صحابہ رضی اللہ عنہم اسلام سے پہلے بھی اور اسلام کے بعد بھی عرب کے نمایاں ترین اور کامیاب ترین تاجروں میں شمار ہوتے تھے۔ تجارتیں اتنے بڑے پیمانے پر تھیں کہ اس کا اندازہ نہیں کر سکتے کہ تدین کے اعلی ترین معیار، تقوی اور زہد کے بلند ترین نمونہ ہونے کے باوجود دنیاوی اعتبار سے کامیاب ترین تجارت ان حضرات نے کس طرح اور کتنے بڑے پیمانے پر چلا کر دکھائی اور یہ ثابت کیا کہ تدین اور تجارت میں کوئی تعارض نہیں ہے اور ان دونوں کو ساتھ ساتھ کیسے چلایا جا سکتا ہے۔

صرف صحابہ کرام نے ہی نہیں بلکہ فقہائے اسلام خود تاجر تھے اور تجارت سے وابستگی دنیائے اسلام کا ایک طرۂ امتیاز تھا، مسلم جہاز رانوں نے تجارت کے ذریعہ پوری دنیا کا سفر کئے، دنیا کے گوشے گوشے میں اسلام کو پھیلایا، آج انڈونیشیا، ملیشیا، فلپین اور چین کے بیشتر علاقوں میں جو مسلمان پائے جاتے ہیں یہ سب مسلمان تاجروں کے ذریعہ مسلمان ہوئے، ان علاقوں میں کروڑوں مسلمانوں پر مشتمل آبادیاں انہیں مسلمان تاجروں کی مرہون منت ہیں۔

اللہ کے نبی ﷺ نے دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے منع کیا۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہ شخص جو لکڑی کا گٹھر اپنی پیٹھ پر لاد کر لائے، اس سے بہتر ہے جو کسی کے سامنے ہاتھ پھیلائے چاہے وہ اسے دے دے یا نہ دے۔ (بخاری)

دوسری جگہ ارشاد فرمایا: "عن زبير بن العوام رضى الله عنه قال قال رسول الله ﷺ: لأن يأخذ أحدكم أحبلة خير له من أن يسأل الناس" (بخاری، ح: ۲۰۷۵، کتاب البیوع) ترجمہ: نبی کریم ﷺ نے فرمایا اگر کوئی اپنے رسیوں کو سنبھالے اور ان میں لکڑی باندھ کر لائے تو وہ اس سے بہتر ہے جو لوگوں سے مانگتا پھرتا ہے۔

تجارت اور کاروبار کے معاملات جو بظاہر خالص مادی اور دنیاوی ہیں، دراصل محض مادی اور دنیاوی نہیں ہیں، بلکہ وہ اپنے اندر ایک گہرا روحانی اور اخلاقی پہلو بھی رکھتے ہیں، بشرطیکہ ان کو شریعت کے احکام کے مطابق انجام دیا جائے۔ ☆☆

نشست مجلس منتظمہ جامعہ سلفیہ، بنارس

بروز اتوار تاریخ ۲۱/۱۰/۱۴۳۳ھ مطابق ۹/۹/۲۰۱۲ء کو صبح دس بجے میٹنگ ہال جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس میں مجلس منتظمہ جامعہ سلفیہ بنارس کی سالانہ نشست زیر صدارت مولانا شاہد جنید بن محمد فاروق صاحب سلفی صدر جامعہ سلفیہ منعقد ہوئی، نشست کی نظامت کے فرائض مولانا عبداللہ سعود بن عبدالوحید صاحب سلفی ناظم اعلی جامعہ سلفیہ نے انجام دیئے، نشست میں ممبران مجلس منتظمہ کے علاوہ ہندوستان کے مختلف صوبوں کے نمائندوں اور جامعہ کے مختلف شعبوں کے کچھ ذمہ دار اساتذہ نے بھی شرکت کی۔

محترم ناظم اعلی صاحب نے حمد وصلاۃ کے بعد تمام حاضرین کا اس بات پر شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے جامعہ کی دعوت قبول فرمائی اور سفر کی مشقت برداشت کرکے نشست میں شرکت کی، محترم ناظم اعلی صاحب نے اس دورانیہ میں ہمارے درمیان سے اٹھ جانے والی بعض اہم شخصیتوں اور دین وملت کی راہ میں ان کی گراں مایہ خدمات کا ذکر خیر فرمایا، حاضرین کی طرف سے ان تمام لوگوں کے لیے رحمت ومغفرت کی دعا کی گئی، جن اہم شخصیات کا دوران نشست ذکر خیر ہوا وہ مندرجہ ذیل ہیں:

☆ محترم ڈاکٹر جاوید اعظم بن عبدالعظیم رحمہ اللہ سابق صدر جامعہ سلفیہ

☆ محترم مولانا محمد حنیف مدنی رحمہ اللہ سابق استاذ جامعہ سلفیہ

☆ محترم مولانا عبدالحکیم مجاز اعظمی رحمانی رحمہ اللہ

☆ عزت مآب امیر نایف بن عبدالعزیز آل سعود رحمہ اللہ ولی عہد وسابق وزیر داخلہ مملکت سعودی عرب

محترم ناظم اعلی صاحب نے حاضرین کو نشست کے ایجنڈے سے آگاہ کیا اور پہلے ایجنڈے کے تحت سال گذشتہ کی نشست کی قرارداد پیش کی، اور حاضرین کی طرف سے توثیق کے بعد مولانا شاہد جنید صاحب صدر مجلس نے اپنے توثیقی دستخط ثبت فرمائے۔ اس کے بعد مولانا نعیم الدین صاحب مدنی شیخ الجامعہ نے تعلیمی رپورٹ پیش کی جس میں مندرجہ ذیل نکات پر تفصیل سے روشنی ڈالی:

☆ جامعہ کے امتحانات اور ان میں شرکاء کی تعداد

☆ جامعہ کے مختلف تعلیمی شعبوں سے فارغ ہونے والے طلبہ کی تعداد

☆ سال رواں میں جامعہ کے طلبہ کی تعداد

☆ جامعہ کا نظام تعلیم وتربیت

☆ جامعہ سے ملحق اداروں کا نظام

☆ ندوۃ الطلبہ، حفلۃ الخطابہ، لجنۃ الثقافہ

شاخ جامعہ کلیۃ امہات المومنین (بنارس) برائے تعلیم نسواں اور المنار اسکول برائے عصری تعلیم کے بارے میں معلومات بھی حاضرین کے سامنے پیش کیں۔

اس کے بعد محترم ناظم اعلی صاحب نے جامعہ کی تعلیمی وتربیتی اور تعمیراتی سرگرمیوں پر مشتمل اپنی مفصل رپورٹ پیش فرمائی، جامعہ کے مختلف شعبوں اور جامعہ کی شاخوں میں تعلیم وتربیت کے معیار کو بلند کرنے کے لیے اب تک جو کوششیں ہوئی ہیں ان کا بالتفصیل ذکر فرمایا، ادارۃ البحوث الاسلامیۃ والدعوۃ والافتاء کے بارے میں معلومات پیش کرنے کے ساتھ ساتھ حاضرین کو ان امور سے بھی آگاہ کیا جو ادارہ مذکور کے زیر نگرانی انجام پائے، سابقہ مدت میں جو کتابیں طبع ہو کر منظر عام پر آچکی ہیں ان کی تفصیل بھی ذکر کی اور مستقبل قریب میں جن کتابوں کی طباعت زیر غور ہے ان کا بھی ذکر کیا، ادارۃ البحوث کی ترقی اور اس کی سرگرمیوں کو مزید فعال بنانے کے سلسلے میں جو کوششیں صرف کی جارہی ہیں ان کے تفصیلی تذکرے کے ساتھ ساتھ مندرجہ ذیل امور پر بھی روشنی ڈالی:

☆ دارالافتاء کی کارکردگی

☆ شعبۂ دعوت وتبلیغ کی پیش رفت

☆ مجلّہ صوت الامہ (عربی)

☆ مجلّہ محدث (اردو)

☆ جامعہ کے کھیل میدان میں کھیل کود کی سرگرمی

☆ جامعہ کی مرکزی عمارت اور جدید عمارت برائے مرحلہ متوسطہ وثانویہ میں مسلسل تعمیری کام کی تفصیل

محترم ناظم اعلی صاحب نے جامعہ سے متعلق اکثر گوشوں مثلاً تعلیم وتربیت، ترجمہ وتالیف، نصاب تعلیم، دعوت وتبلیغ اور مستقبل کے منصوبوں کے بارے میں تفصیلات فراہم کیں۔

اس کے بعد حاضرین کو بحث ومباحثہ اور اپنی اپنی تجاویز پیش کرنے کا موقع دیا گیا، اکثر حاضرین نے اپنے سوالات رکھے جن کا محترم ناظم اعلی صاحب نے تشفی بخش جواب دیا، حاضرین کی طرف سے پیش کی گئی تجاویز کو محفوظ بھی کیا گیا۔

پھر مجلس منتظمہ کے ممبران کے انتخاب کی کارروائی شروع ہوئی، محترم ناظم اعلی صاحب نے حاضرین کو آگاہ کیا کہ جامعہ کے بنیادی دستور کے مطابق ایک تہائی ممبران جمعیت اہل حدیث ہند، اور دو تہائی ممبران انجمن جامعہ رحمانیہ نامزد کرتی ہے، جن کی کل تعداد اکیس ہوتی ہے، اسی نشست میں ڈاکٹر جاوید اعظم صاحب رحمہ اللہ کی وفات کی وجہ سے خالی ہونے والی جگہ کو پُر کرنے کے لیے انجمن جامعہ رحمانیہ نے محترم نامق ادیب صاحب، اور محترم انصار احمد صاحب کی خرابی صحت کی وجہ سے ان کی جگہ پر محترم وکیل نورالہدی صاحب کا نام بحیثیت ممبر مجلس منتظمہ پیش کیا جسے حاضرین نے بالاتفاق منظور کیا۔

جامعہ کے صدر محترم ڈاکٹر جاوید اعظم صاحب رحمہ اللہ (سابق صدر جامعہ) کی وفات کی وجہ سے منصب صدارت

کے لیے مولانا شاہد جنید محمد فاروق صاحب کا بالاتفاق انتخاب عمل میں آیا، مجلس منتظمہ کے قدیم ترین ممبر حاجی عبدالرشید صاحب کو متفقہ طور پر نائب صدر دوم منتخب کیا گیا جب کہ بقیہ تمام عہدیداران اپنے اپنے سابقہ مناصب پر بالاتفاق برقرار رکھے گئے، تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

۱	مولانا شاہد جنید بن محمد فاروق صاحب سلفی	بنارس، یوپی	صدر جامعہ
۲	مولانا مظہر احسن ازہری صاحب	مئو، یوپی	نائب صدر
۳	محترم حاجی عبدالرشید صاحب	مالیر کوٹلہ پنجاب	نائب صدر
۴	مولانا عبداللہ سعود بن عبدالوحید صاحب سلفی	بنارس، یوپی	ناظم اعلی
۵	مولانا عبداللہ زبیری صاحب	بنارس، یوپی	نائب ناظم
۶	محترم ارشد وزیری صاحب	بھدوہی، یوپی	نائب ناظم
۷	محترم عبداللطیف عبدالاحد صاحب	بنارس، یوپی	خزانچی

ایجنڈہ نمبر چہارم کے تحت محترم ناظم اعلی صاحب نے آمد وخرچ کی رپورٹ پیش کی جس میں سال گذشتہ کی آمد وخرچ کا مکمل حساب اور سال جدید کے منصوبوں کی تکمیل کے لیے تخمینی بجٹ کی تفصیلات سے آگاہ کیا، ناظم صاحب نے ان محسنین کے لیے خاص طور پر دعا کی جو جامعہ کی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے جامعہ کا دل کھول کر تعاون کرتے ہیں، آپ نے جامعہ کی اہمیت کا تذکرہ کرتے ہوئے سب سے مالی استحکام کے لیے کوشش کرنے کی سفارش کی، کسی قدر بحث وتمحیص اور ترمیم کے بعد تمام حاضرین کی طرف سے اتفاق کا اظہار کیا گیا اور اس بات پر زور دیا گیا کہ فراہمی چندہ کے لیے سب کو وقت دینا چاہئے اور مخیّر حضرات سے جامعہ کی اہمیت کے پیش نظر خصوصی توجہ مبذول کرائی جائے۔

کچھ حاضرین کی طرف سے دعوت وتبلیغ کے مقاصد کو احسن انداز میں پورا کرنے کے لیے جامعہ میں ایک جدید گاڑی کی خرید کی تجویز رکھی گئی، جامعہ کے اندر پانی کی صفائی کے لیے مزید جدید آلات نصب کرنے کی ضرورت پر زور دیا گیا، جامعہ میں جدید طلبہ کے داخلے کی کارروائی کے لیے بھی کچھ تجویزیں سامنے آئیں، ان تمام آراء وتجاویز کو محفوظ کر لیا گیا تا کہ آئندہ مناسب وقت پر ان کے مطابق عمل کیا جاسکے۔

نشست کے اخیر میں صدر جامعہ نے تمام شرکاء کا نشست میں شریک ہونے اور جامعہ کی خدمات کو مزید فعال بنانے نیز جامعہ میں تعلیم وتربیت کے معیار کو بلند کرنے کے لیے اپنی آراء اور تجاویز پیش کرنے پر شکریہ ادا کیا۔

اس نشست میں ہندوستان کے مختلف علاقوں سے جن اہم شخصیات نے شرکت فرمائی وہ اس طرح ہیں:

۱- مولانا مظہر احسن ازہری صاحب — از مئو

۲- مولانا اصغر علی امام مہدی صاحب — از دہلی

۳-مولانا عبدالوہاب خلجی صاحب	از دہلی
۴-مولانا صلاح الدین مقبول احمد صاحب	از دہلی
۵-مولانا عبدالسلام سلفی صاحب	از ممبئی
۶-مولانا سعید احمد سلفی صاحب	از پونہ
۷-مولانا سلیمان میرٹھی صاحب	از میرٹھ
۸-محترم الحاج عبدالرشید صاحب	از مالیر کوٹلہ پنجاب
۹-محترم ارشد وزیری صاحب	از بھدوہی
۱۰-محترم تنویر احمد صاحب	از بھدوہی

شہر بنارس سے جن اہم شخصیات نے حصہ لیا وہ ہیں:

۱-مولانا شاہد جنید محمد فاروق صاحب

۲-مولانا عبداللہ سعود عبدالوحید صاحب

۳-محترم محمد سالم بن محمد فاروق صاحب

۴-محترم عبداللطیف بن عبدالاحد صاحب

۵-مولانا احسن جمیل بن عبدالبصیر صاحب

جامعہ کے ذمہ دار اساتذہ جنہوں نے اس نشست میں شرکت کی وہ اس طرح ہیں:

۱-مولانا نعیم الدین صاحب مدنی	شیخ الجامعہ
۲-مولانا محمد مستقیم صاحب سلفی	نگراں دارالاقامہ، سابق شیخ الجامعہ
۳-مولانا محمد یونس صاحب مدنی	نگراں شعبۂ دعوت وتبلیغ، سابق شیخ الجامعہ
۴-مولانا اسعد اعظمی صاحب	استاذ جامعہ سلفیہ، ورئیس تحریر مجلّہ صوت الامۃ (عربی)
۵-مولانا سعید میسور صاحب مدنی	مدیر ادارۃ القبول والتسجیل والامتحانات
۶-خاکسار عبدالکبیر عبدالقوی مبارکپوری	کنوینز لجنۃ الحاق المدارس، مدیر مکتب الاشراف علی الدعاۃ

تمام شرکاء نشست کے لیے جامعہ نے دوپہر کے کھانے کا نظم بھی کیا تھا جس سے فراغت کے بعد شرکاء کرام اپنی اپنی منزلوں کو روانہ ہوئے۔

(عبدالکبیر مبارکپوری)

☆☆☆

تعارف وتبصرہ

ہماری نظر میں

از: مولانا محمد مستقیم سلفی

کتاب: رکعات تراویح مع اضافات وضمیمہ

تصنیف: علامہ حافظ محمد عبداللہ غازی پوری رحمہ اللہ (۱۲۶۱-۱۳۳۷ھ)

تخریج وتحقیق: مولانا احسن جمیل عبدالبصیر مدنی

صفحات: ۸۸ ، قیمت درج نہیں

پتہ: (۱) مکتبہ سلفیہ، ریوڑی تالاب، بنارس (۲) مکتبہ الفہیم مئو (۳) مکتبہ جریدہ ترجمان دہلی (۴) دفتر اتحاد ابناء السلفیۃ، باگڑ بلی، بنارس۔

یہ کتاب محدث کبیر علامہ حافظ محمد عبداللہ غازی پوری رحمہ اللہ کی اپنے موضوع پر نہایت گراں مایہ اور بلند پایہ تصنیف ہے، جسے آپ نے اپنے ایک دوست جناب امجد علی خان صاحب شہر غازی پور محلّہ نگاہی بیگ کے درج ذیل چند سوالات بسلسلۂ رکعات تراویح کے جواب میں لکھا ہے۔

امجد علی خان صاحب لکھتے ہیں کہ علمائے دین مسائل ذیل میں کیا فرماتے ہیں؟

س۱: حدیث صحیح سے رسول اللہ ﷺ سے کے (یعنی کتنی) رکعات تراویح پڑھنا ثابت ہے؟

س۲: کسی حدیث صحیح سے رسول اللہ کے بیس رکعات تراویح پڑھنا ثابت ہے یا نہیں؟

س۳: حضرت عمر نے جب تراویح کی جماعت قائم کی تھی تو امام کو کے (یعنی کتنی) رکعات تراویح پڑھنے کا حکم صادر فرمایا تھا؟

س۴: صحیح سند سے خلفائے راشدین کا کے (یعنی کتنی) رکعات تراویح پڑھنا یا کے رکعات تراویح پڑھانے کا حکم فرمانا ثابت ہے؟

س۵: رکعات تراویح کے عدد میں فیما بین العلماء کیا کیا اختلافات ہیں؟ اور ان اختلافات میں دلیل کی رو سے مرجح کون قول ہے؟

س۶: ہر ایک سوال کا جواب بحوالۂ کتب محدثین اہل سنت ہونا چاہئے۔

مذکورہ بالا سوالات کے جوابات علامہ غازی پوری نے نمبر وار مدلل دیا ہے، ساتھ ہی حنفی علماء کے اقوال مع حوالہ کتب وصفحات درج کئے ہیں کہ علمائے احناف نے بھی تراویح کی نماز سنت مع وتر گیارہ رکعات ہی لکھا ہے۔

یہ کتاب اپنے موضوع پر نہایت مختصر اور دلائل سے پر ہے، یہ کتاب متعدد بار چھپنے کے باوجود نایاب ہو چکی تھی، اللہ

تعالی جزائے خیر دے مولانا احسن جمیل صاحب مدنی کو کہ انہوں نے جہاں اس کتاب کی طباعت کی غلطیوں کو درست کیا وہیں اس کو مفید بنانے کے لیے درج ذیل امور کا اہتمام بھی کیا ہے:

(۱) اس کتاب میں مذکور تمام نصوص کا ان کے اصل مصادر سے مقابلہ کرکے ان کی تصحیح کی۔

(۲) صاحب کتاب نے اپنے زمانے کے لحاظ سے تمام حوالہ جات کو اصل کتاب میں ذکر کیا تھا، لیکن آپ نے جدید طریقہ کے مطابق حوالہ جات کو حاشیہ میں کردیا ہے، اور تمام مصادر کا نئی طبعات سے حوالہ دیا، تاکہ مصادر کی طرف مراجعہ آسان ہوجائے۔

(۳) کتاب میں کوئی فہرست نہیں تھی، اس کے موضوع کے اعتبار سے ایک فہرست مرتب کرکے کتاب میں شامل کردیا ہے۔

مولانا احسن جمیل صاحب مدنی مولانا عبداللہ سعود صاحب ناظم اعلی جامعہ سلفیہ بنارس کے گھرانے کے ایک فرد ہیں اور جامعہ سلفیہ بنارس سے ۱۹۷۵ء میں عالمیت اور ۱۹۷۷ء میں فضیلت کی ڈگری حاصل کی ہے، اور جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے بھی فارغ التحصیل ہیں۔

۱۹۸۲ء جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے تعلیم مکمل کرنے کے بعد آپ نے ایک مدت تک جامعہ سلفیہ بنارس میں تدریسی فرائض بھی انجام دیا ہے، اپنی گھریلو مشغولیات کی وجہ سے چند سال پہلے تدریس سے علیحدہ ہوگئے ہیں، لیکن تصنیف وتالیف کا سلسلہ جاری ہے، تحقیق وتنقید کا پاکیزہ ذوق رکھتے ہیں، اس کتاب کے شروع میں سات صفحات پر مشتمل ایک مقدمہ ہے، اور چھ صفحات پر مشتمل مصنف علیہ الرحمۃ کی حالات زندگی ہے، اس طرح کتاب کی افادیت اور جامعیت میں علمی حیثیت سے بہت بڑا اضافہ ہوگیا ہے۔ طباعت بہت عمدہ، کاغذ اعلی اور معیاری ہے۔

اہل قلم حضرات توجہ فرمائیں

ادارہ ماہنامہ محدث بنارس اہل قلم حضرات سے گزارش کرتا ہے کہ وہ اپنے تازہ مضامین اشاعت کے لیے ارسال فرمائیں نیز اگر کوئی مضمون مترجم ہو تو اس کے ساتھ اصل ضرور بھیجیں تاکہ حسب ضرورت اصل کی طرف رجوع کیا جاسکے، نیز ایسے مضامین کو اشاعت کے لیے ترجیح دی جائے گی جو منہج سلف کا آئینہ دار ہو اور زبان وبیان کے اعتبار سے معیاری ہو۔ (ادارہ)

اخبار جامعہ

اوقات تعلیم میں تبدیلی:

موسم سرما کی کی آمد کے پیش نظر حسب نظام جامعہ سلفیہ میں تعلیم کے اوقات یکم اکتوبر ۲۰۱۲ء سوموار سے تبدیل کردیئے گئے ،اب تعلیم صبح ۷:۱۵ بجے سے شروع ہوکر ۱۲:۴۰ بجے ختم ہوتی ہے۔درمیان میں ناشتہ کا وقفہ ۹:۱۵ بجے سے ۹:۴۰ بجے تک ہے۔اور یہ سلسلہ ۱۹/دسمبر ۲۰۱۲ء تک رہے گا،ان شاءاللہ۔

گاندھی جینتی کی تعطیل

جامعہ سلفیہ بنارس میں ۲/اکتوبر بروز منگل گاندھی جینتی کے موقع پر حسب سابق عام تعطیل کردی گئی،اس دن تمام تعلیمی شعبے اور ادارہ بندرہا۔واضح رہے کہ جامعہ سلفیہ میں یوم جمہوریہ ۲۶/جنوری و یوم آزادی ۱۵/اگست کو بھی اسباق بند رہتے ہیں اور طلباء کا ثقافتی پروگرام منعقد ہوتا ہے،جس میں قومی یکجہتی اور حب الوطنی جیسے اہم موضوعات پر تقریریں ہوتی ہیں۔

طلباء جامعہ کے لیے اندرون جامعہ کھیل کا انتظام

جامعہ سلفیہ بنارس کے طلباء کے لیے جامعہ کے صحن میں والی بال کھیل کا انتظام کیا گیا ہے،اس کے لیے تین نٹ لگائی گئی اور سبزہ زار کو کھیل کے لیے ہموار کیا گیا نیز اس کھیل کو سکھلانے کے لیے باقاعدہ ایک ٹریز (استاد) کا انتظام کیا ہے، جس کی نگرانی میں روزانہ عصر کی نماز کے بعد طلبہ الگ الگ ٹیم کی شکل میں والی بال کھیلتے ہیں اور وقفہ وقفہ سے ان ٹیموں کے درمیان ٹورنامنٹ بھی منعقد کیا جاتا ہے۔

جامعہ سلفیہ کے طلباء کی نمایاں کامیابی

توحید فاؤنڈیشن مئو کے زیراہتمام مدارس واسکول کے طلباء کے لیے ایک انعامی مقابلہ بروز سنیچر واتوار ۶، ۷/اکتوبر ۲۰۱۲ء باز کی مسجد کے صحن میں منعقد ہوا جس کے تیسرے زمرہ میں جو اسلامی عقیدہ،سیرت نبوی اور تاریخ اہلحدیث سے متعلق سوال وجواب پر مشتمل تھا،طلبۂ جامعہ نے شرکت کی اور اس زمرہ کی پہلی ، دوسری اور تیسری پوزیشن جامعہ کے طلبہ نے بالترتیب حاصل کی:اشرف الحق شمس الحق ع ۲،جنید یوسف عبدالرقیب ع ۲،عزیر احمد عبدالمعبود ع ۱۔

ادارہ محدث ان طلباء کی کامیابی پر مبارکباد پیش کرتا ہے اور ان کے تابناک مستقبل کے لیے اللہ رب العالمین سے دعا گو ہے۔

☆☆☆

عالم اسلام

ظل الرحمٰن سلفی رسنٹرل لائبریری جامعہ سلفیہ

مغرب کے دوہرے معیار پر امام کعبہ کی تنقید:

امام حرم شیخ صالح بن محمد آل طالب نے آزادی اظہار رائے کے تعلق سے مغرب کے دوہرے معیار پر تنقید کرتے ہوئے اقوام عالم سے اپیل کی ہے کہ وہ توحیدی مذاہب اور پیغمبروں کی اہانت کے خلاف ان کی عزت وحرمت کے لیے قوانین وضوابط وضع کریں، اس کے ساتھ ہی انہوں نے امریکہ میں بننے والی اسلام مخالف فلم اور فرانس میں نبی اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی آمیز کارٹونوں کی اشاعت کے خلاف احتجاج کے دوران تشدد کو بھی غلط ٹھہراتے ہوئے مسلمانوں کو تلقین کی کہ وہ اپنے ردعمل میں بھی امن وسلامتی ورحمدلی کا مظاہرہ کریں، ایسا نہ ہو کہ بے قصوروں کی جانیں جائیں اور املاک کو نقصان پہنچائیں۔

(انقلاب ممبئی از بنارس ۱۲/۹/۲۳)

اب مصر کی فضائی خاتون بھی ہوں گی باحجاب:

قاہرہ: سابق صدر حسنی مبارک کے ۳۰/سالہ سیکولر دور حکومت کے خاتمے کے بعد سرکاری اداروں سے بھی لادینیت کا رنگ تیزی سے زائل ہونے لگا ہے، حال ہی میں مصری ٹیلی ویژن چینل کی خواتین نیوز انیکرز کی جانب سے حجاب پہننے کے اعلانات کے بعد قومی فضائی کمپنی سے وابستہ کئی ایرہوسٹس نے بھی ڈیوٹی کے دوران حجاب پہننے کے لیے درخواستیں دی تھیں، جس کے بعد اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ کوئی بھی ایرہوسٹس ڈیوٹی کے دوران حجاب پہن سکتی ہیں۔ (راشٹریہ سہارا لکھنؤ: ۱۲/۹/۱۲)

جرمنی میں ختنہ کی مشروط اجازت:

جرمنی میں یہودی اور مسلم بچوں کے ختنے کی اجازت دینے پر وفاقی جرمن حکومت مشروط طور پر آمادہ ہوگئی ہے، صرف چھ ماہ تک کی عمر کے بچوں کا ختنہ روایتی ڈھنگ سے، وہ بھی طبی نگرانی میں کیا جاسکتا ہے، وفاقی وزارت قانون کے وضع کردہ جدید ضابطوں کے تحت زیادہ عمر کے بچوں کے ختنے کی اجازت صرف ڈاکٹر کو ہوگی۔ (سنڈے انڈین اردو، اکتوبر ۲۰۱۲ء)

او.آئی.سی میں متنازع فلم کے خلاف قرارداد منظور:

اقوام متحدہ: نیویارک میں منعقدہ اسلامی ممالک کے وزرائے خارجہ کے اجلاس میں ''فلم انوسینس آف مسلمس'' کی سخت مذمت کرتے ہوئے اسے آزادی اظہار رائے کی خلاف ورزی قرار دیا گیا، نیز دنیا میں امن وامان اور ہم آہنگی کے لیے مختلف مذاہب، تقاضوں اور تہذیبوں کے درمیان افہام وتفہیم اور بات چیت سے مسائل حل کرنے کی ضرورت پر زور دیا گیا۔

(انقلاب از بنارس ۱۲/۹/۳۰)

☆☆☆

باب الفتاوی

سوال نمبرا: کوئی عورت قربانی کا ارادہ کرنے کے بعد عشرۂ ذی الحجہ میں بالوں میں کنگھی کرسکتی ہے؟ جبکہ کنگھی کرنے سے بال وغیرہ گرتے ہیں۔

جواب نمبرا: صورت مسئولہ میں واضح ہو کہ جو شخص (مرد ہو یا عورت) قربانی کرنے کا ارادہ رکھتا ہو اس کے لیے عشرۂ ذی الحجہ میں بال، ناخن یا بدن کے کسی حصہ کا بڑھا ہوا یا غیر بڑھا چمڑا کاٹنا اور اکھاڑنا ممنوع ہے، ام المومنین حضرت ام سلمہ ؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے نبی جناب محمد ﷺ نے فرمایا: "إذا رأيتم هلال ذي الحجة، وأراد أحدكم أن يضحي، فليمسك عن شعره وأظفاره"۔ (رواہ مسلم، کتاب الاضاحی، باب ....) یعنی جب تم ذی الحجہ کا چاند دیکھ لو اور تم میں سے جو کوئی قربانی دینے کا ارادہ رکھتا ہو تو اسے چاہئے کہ وہ اپنے بالوں اور ناخنوں سے کچھ نہ لے، یعنی نہ اکھاڑے نہ کاٹے، نہ مونڈے اور نہ پاؤڈر وغیرہ سے ان کا ازالہ کرے، یہ سب کام شرعی اعتبار سے ممنوع ہیں۔

اسی طرح ایک دوسری روایت جو کہ حضرت ام سلمہ ؓ ہی سے مروی ہے، آپ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "إذا دخلت العشر فأراد أحدكم أن يضحي فلا يمس من شعره ولا من بشره شيئا"۔ (النسائی، کتاب الضحایا، باب:۱) یعنی جب عشرۂ ذی الحجہ شروع ہو جائے اور تم میں سے کوئی شخص قربانی کرنے کا ارادہ رکھتا ہو تو وہ اپنے بال اور کھال سے کچھ نہ اکھاڑے۔

اوپر مذکور احادیث میں جو ممانعت آئی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ بالقصد وارادہ ایسا کرنا ممنوع ہے، کنگھی کرتے ہوئے اسی طرح بالوں میں تیل وغیرہ لگا کر سنوارتے ہوئے اگر بال وغیرہ بلا ارادہ گر جائے تو یہ ممانعت میں داخل نہیں ہے، اسی طرح نہاتے ہوئے یا بالوں اور داڑھیوں کو دھلتے ہوئے اگر داڑھی یا سر کا بال گر جائے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

سوال نمبر۲: کیا کوئی عورت قربانی کا جانور اپنے ہاتھ سے ذبح کرسکتی ہے؟

جواب نمبر۲: قربانی کا جانور ہو یا غیر قربانی کا جانور اگر عورت کے اندر ذبح کرنے کی شرائط پوری ہو رہی ہوں تو بوقت ضرورت ذبح کرسکتی ہے، اس کا ذبیحہ حلال ہوگا، اور قربانی بھی ہو جائے گی۔

سید المحدثین امام بخاری ؒ نے اپنی صحیح بخاری (قبل الحدیث ح ۵۵۵۹) روایت لائے ہیں کہ حضرت ابوموسی اشعری ؓ نے اپنی بیٹیوں کو حکم دیا کہ وہ اپنی قربانیاں خود ذبح کریں۔

شارح بخاری علامہ عینی ؒ اس کی شرح میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں دلیل ہے کہ عورتیں جب اچھی طرح ذبح کرسکتی ہوں تو وہ اپنی قربانیاں خود ذبح کرسکتی ہیں۔ (عمدۃ القاری، ۲۱/۱۵۵)

اسی طرح بخاری شریف مع فتح الباری (ح ۵۵۰۱، ۵۵۰۲، ۵۵۰۴، ۵۵۰۱۵) سے بھی عورتوں کے جانور ذبح کرنے کا ثبوت واضح طور پر ملتا ہے، تو جب عورتوں کے ہاتھ کا عام ذبیحہ حلال ہے تو قربانی کا جانور ذبح کرنا بھی حلال اور جائز ہے،

اس میں کوئی قباحت نہیں۔

سوال نمبر۳: دو دانتے سے کم عمر کا جانور قربانی میں ذبح کیا جا سکتا ہے؟

جواب نمبر۳: قربانی کے جانوروں کے لیے شریعت مطہرہ نے جو شرائط لازم قرار دیا ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ جانور ادنت نہ ہو بلکہ دانتا ہونا ضروری ہے، ہاں بھیڑ کے ایک سال کا بچہ جو نہ بھی دانتا ہوا ہو تو اس کی قربانی جائز ہو جائے گی، یعنی بھیڑ کے بلا دانتا ہوا ایک سال کے بچہ کی قربانی اس صورت میں درست ہوگی جب بیل گائے بکری اونٹ اور اونٹنی میں دانتا ہوا جانور ملنا مشکل ہو یا اس کے خریدنے کی طاقت نہ ہو۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: "لا تذبحوا إلا مسنة الا أن يعسر عليكم فتذبحوا بدنة من الضان" (صحیح مسلم، کتاب الاضاحی، باب سن الاضحیۃ ح:۱۹۶۳، ابوداود: ۲۷۹۷) یعنی تم دو دانتے کے سوا ذبح نہ کرو، لیکن اگر تمہارے اوپر تنگی ہو تو بھیڑ کا کھیرا ذبح کرلو۔

اور ایک روایت اس طرح مروی ہے: "كنا مع رجل من أصحاب رسول الله ﷺ يقال له مجاشع من بني سليم فعزت الغنم فأمر مناديا فنادى أن رسول الله ﷺ كان يقول أن الجذع يوفي مما توفى منه الثنية"۔ (سنن ابی داود، کتاب الضحایا، باب ما یجوز فی الضحایا من السن، ح ۲۷۹۹) یعنی ہم رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے ایک آدمی (صحابی) کے ساتھ تھے، جسے مجاشع کہا جاتا ہے وہ بنو سلیم میں سے تھا، بکریاں کم پڑ گئیں تو آپ ﷺ نے ایک منادی کرنے والے کو حکم دیا، اس نے منادی کی کہ اللہ کے رسول ﷺ فرما رہے ہیں: ''بلاشبہ بھیڑ کا کم عمر بچہ اس چیز سے پورا پورا کفایت کرتا ہے، جس سے دو دانتا کام آتا ہے''۔

اس حدیث سے اس بات کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ یہ حکم دو دانتا جانور کم ہونے کی صورت میں تھا، اس میں اور حضرت جابرؓ کی اوپر مذکور حدیث میں کوئی تعارض نہیں، وہ بھی عسرت و تنگی اور دو دانتے کی قلت کی صورت میں بھیڑ کا کم عمر بچہ قربانی کرنے پر دلالت کرتی ہے اور اس روایت کا سیاق بھی اسی بات پر دلالت کرتا ہے۔

کم عمر کا ادنت بچہ کی قربانی بصورت مجبوری صرف بھیڑ کی جائز ہے، قربانی کے دیگر جانوروں میں ایسا کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ بھیڑ کے علاوہ دیگر جانوروں کو قربانی کرنے کے لیے دانتا ہونا ضروری ہے۔

امام بیہقیؒ نے سنن بیہقی میں یوں باب قائم کیا ہے:

"باب لا يجزئ الجذع الا من الضأن وحدها ويجزئ الثنى من المعز والابل والبقر"۔ (یعنی کم عمر (کھیرا) صرف بھیڑ کا کفایت کرے گا، بکری اونٹ اور گائے (کی قربانی میں) دو دانتا کفایت کرتا ہے''۔

اللہ تعالیٰ ہمیں سنت کے مطابق تمام اعمال انجام دینے کی توفیق دے، آمین۔

هذا ما عندي واللہ أعلم بالصواب

ابو عفان نور الہدیٰ عین الحق سلفی مالدہی
استاذ جامعہ سلفیہ بنارس